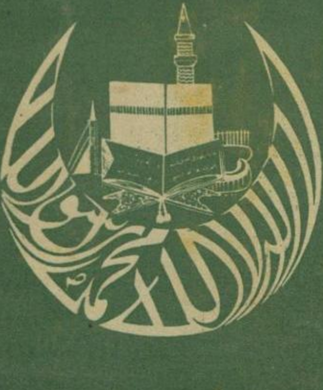
فضائلِ قرآنی

بر

صُحفِ آسمانی



مُصنّفہ

حاجی رحیم بخش

فضائلِ قرآنی

بر

صُحفِ آسمانی



مُصنّفہ

حاجی رحیم بخش مرحوم

پیشکش

لفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) حاجی افتخار احمد

ھدیہ

پانچ روپے

ملنے کا پتہ

الرحیم لمیٹڈ

فرسٹ فلور، اسٹیٹ لائف بلڈنگ ۳/ا

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد روڈ، کراچی

فون نمبر ۵۱۱۷۱۵ - ۵۱۵۴۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اس کتاب کا نام ہے "فضائلِ قرآنی بر صُحفِ آسمانی" کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ دو اور آسمانی صحیفے ہیں "توریت" اور "انجیل" جن کے صحیفۂ آسمانی ہونے کی قرآن مجید بھی تصدیق کرتا ہے اور یہود اور نصارٰی بھی اس کے دعوے دار ہیں، لیکن اُن کا حال یہ ہے کہ اپنے اصلی الفاظ میں ان صحیفوں کا ایک فقرہ بھی کہیں موجود نہیں ہے، جو کچھ یہود و نصارٰی کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے وہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ ترجمے کے ترجمے کا ترجمہ ہے۔ پھر مزید برآں یہ کہ ان صحیفوں کے مضامین اور مشمولات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ زمانۂ مابعد میں تالیف کئے گئے ہیں، بلکہ انجیل کے نام سے جو چیز نصارٰی پیش کرتے ہیں وہ چار اشخاص کے قلم سے حضرت عیسٰی مسیح علیہ السّلام کی مختصر و ناقص چار سوانح عُمریاں ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بعد اور بہت زمانہ بعد لکھی گئی ہیں، ان میں کہیں ایک لفظ بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل کی جانے والی کتاب اور انجیل کا موجود نہیں ہے۔ جس کتاب کو توریت کہا جاتا ہے، یعنی عہد نامۂ قدیم کی ابتدائی پانچ کتابیں، وہ تخلیقِ عالَم اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے اور فلسطین

میں آکر آباد ہو جانے کی کہانیاں ہیں، جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے کئی سو سال بعد لوگوں نے لکھا ہے، حتّٰی کہ کتاب استثناء کے باب ۳۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وفات اور ان کی قبر کے لاپتہ ہو چکنے کا کئی سو سال زمانۂ مابعد کا ذکر بھی موجود ہے۔

اس کے برخلاف قرآن مجید اپنے زمانۂ نزول سے اب تک بعینہٖ اپنے اصلی الفاظ میں محفوظ ہے اور دُنیا کے اُسی کروڑ مسلمانوں میں سے تقریبًا اسّی لاکھ حافظوں کے سینوں میں بھی بالکل اسی طرح محفوظ ہے جیسے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں محفوظ ہے، پتھروں اور ریشمی کپڑوں اور پردوں پر محفوظ ہے جیسے حضرت جبریل علیہ السّلام نے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلم کو سُنایا تھا، کبھی ایک نقطہ وشوشہ کا یا مدّ و امالہ کا فرق بھی اس میں نہیں آسکا ہے۔

چودہ سو سال کی طویل مُدّت میں، ہر ملک اور ہر نسل میں اس کتاب اللہ کا محفوظ رہنا ہی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی، چہ جائیکہ مُصنّفِ کتاب فضائلِ قرآنی بر صُحفِ آسمانی نے دوسرے آسمانی صحیفوں سے جس صورت میں وہ آج موجود ہیں قرآنی ہدایات کا تقابلی مطالعہ کر کے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح کر دی ہے کہ قرآن مجید کو ان نام نہاد صحیفوں پر اپنے مشمولات اور مضامین کے اعتبار سے بھی بدرجہا فضیلت حاصل ہے، یہ کتاب مصنّف کے سالہا سال طویل، عمیق اور وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے، انہوں نے قرآن مجید کا تدبُّر و اِتقان کے ساتھ مطالعہ کیا تھا، اور اپنے لئے بہت سے تفسیری نوٹ تیار کئے تھے، وہ نوٹ دوران قیامِ ایبٹ آباد چوری ہو گئے تھے، اس کے کچھ اُجزاء جو کسی نہ کسی طرح واپس دستیاب ہو سکے اُن کی مدد سے

یہ ایمان افروز کتاب تالیف ہو سکی تھی، یہ کتاب اپنی گراں قدر معلومات کی وجہ سے اس قابل ہے کہ اہلِ دل اور اہلِ نظر حضرات اس کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں۔

کتاب کے مصنّف جناب حاجی رحیم بخش صاحب ہیں، یہ بزرگ ایک خوشحال بلکہ نسبتہً امیر گھرانے کے فرزند تھے، بڑے شوق اور محنت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہے، صحیح العقیدہ مسلمان، عملاً دیندار اور اخلاق و آداب میں نیکوکار تھے۔ ان کو اپنے دین سے بہت محبت تھی، انھوں نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ عمیق و وسیع مطالعہ کیا تھا، اس کتاب کے علاوہ اور بھی متعدّد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں اور چھپ کر مقبول و مفید ہوئیں، "قرآن کریم اور ایک غلط فہمی کا ازالہ"۔ "حروف مقطعات کے اشارات و کنایات"۔ "رموزِ سورۃ الکہف"۔ "تحفۂ معراج شریف" "ابنِ مریم" اور "گلدستۂ معانی (تحفۂ عید میلاد)" بھی موصوف کے مطالعۂ قرآن مجید سے پیدا ہونے والی کتابیں ہیں، ان کے قلم کا موضوع اور ان کے ذہن و فکر کا محور کتاب اللہ تھی، وہ قرآن مجید کی خدمت کے لئے پڑھتے اور لکھتے رہے، ان کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں بروز ہفتہ ۸ر جنوری ۱۹۵۵ء مطابق ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ کو سیالکوٹ میں ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو خادمینِ قرآن کا مرتبہ عطا فرمائے۔

جناب حاجی رحیم بخش مرحوم کی کتابیں ان کی زندگی میں چھپی تھیں مگر اب نایاب ہو چکی ہیں، حاجی صاحب مرحوم و مغفور کے لایق اکلوتے فرزند لفٹیننٹ جنرل حاجی افتخار احمد صاحب جو فوج کے اعلیٰ ترین عہدہ دار ہونے کے علاوہ مختلف کشوری اداروں کے بھی سربراہ رہے ہیں۔ الولد سرلابیہ کے

مطابق ایک دیندار، مُسلمان اور اللہ و رسُول ؐ سے محبت رکھنے والے انسان ہیں ، اپنے والد بزرگوار کی اس مفید و کار آمد کتاب کو دوبارہ شایع کر رہے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر دے اور ان کے والد مرحوم کے ساتھ لائق فرزند کے اعمال نامے میں یہ نیکی لکھی جائے۔ آمین

شفیق بریلوی

کراچی

ماہ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ

ابتدائیہ

جو مُصنّفِ مرحوم نے طبعِ اوّل میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔

چند سال ہوئے تفسیری نوٹ جو اس عاجز نے بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے جمع کئے تھے، وہ ایبٹ آباد میں چوری ہو گئے۔ پولیس کی دوڑ دھوپ کے بعد کچھ جُزو دستیاب ہوئے تھے، جن کو ہم آج ناظرین کے مطالعہ کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان اجزاء کے مل جانے کے بعد بھی مجھے قطعاً یہ اُمید نہ تھی کہ یہ منتشر اجزاء کسی وقت کتابی شکل میں ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچ سکیں گے۔ مگر خوش قسمتی سے مولانا محمد مسلم صاحب ناظمِ مجلس العلماء مفتی اور پرنسپل دارالعلوم لاہور سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی۔ آپ ہی کی توجّہ کا اثر ہے کہ آج یہ رسالہ شایع ہو رہا ہے۔ اُنھوں نے نہ صرف کتاب کی طباعت اور تصحیح کا انتظام فرمایا، بلکہ اصلاحی نوٹوں اور مفید مشوروں سے اس کتاب کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

جس کا میں نہایت ممنون ہوں۔

آخر میں مسلمانوں سے میری یہ مؤدّبانہ درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ ضرور اس کتاب کو پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ اور یہی دراصل اس کی قیمت ہے ؎

سُرمہ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احسان میرا

نیز مجھے ناظرین سے توقع ہے کہ راقم الحروف کو دُعائے خیر سے یاد فرمائیں گے اور میری بے ہُنری اور علمی بے مائیگی پر حرف گیری کرنے کی بجائے چشم پوشی، عفو اور درگزری سے کام لیں گے۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

رحیم بخش

قرآن کا دعوٰئے الہامیت اور اس کا ثبوت اور اس کی فضیلتِ عامہ کا بیان

قرآنِ کریم دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ کے مقابلہ میں کئی وجہ سے فضیلت رکھتا ہے۔ اول یہ کہ قرآنِ عزیز اپنی صداقت کی آپ ہی دلیل ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید بے مثلیت پر اپنی صداقت کی بنیاد رکھتا ہوا کہتا ہے :-

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ہ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین ہ

ترجمہ :- اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہمنے اپنے بندے پر، تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی، اور بلا لو اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے۔ تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے.

قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ ان سب میں چھوٹی سے چھوٹی تین آیات والی سورۃ ہے۔ مگر کافروں سے کہا گیا کہ اگر تم کو اس کلام کے

کلامِ بشری ہونے کا خیال ہے۔ تو تم بھی ایک سورۃ اس جیسی خوبیوں والی بنا کر لے آؤ، اور اس کام کے لئے قابل اور لائق شعراء اور فصحاء زمانہ کی خدمات حاصل کر لو۔ مگر تم اس جیسی ایک سورۃ بھی نہ بنا سکو گے۔ کیونکہ انسانی مصنوعات کی نقل اتاری جا سکتی ہے، خدائی کاموں کی نقل نہیں ہو سکتی۔ اور جب تم اس کے مقابلے سے عاجز ہو جاؤ، تو سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانے سے لیکر آجتک چودہ سو سال کا عرصہ گذر رہا ہے۔ مگر کسی نے ایک سورۃ بھی بنا کر مقابلے میں پیش نہیں کی۔ اور نہ کبھی قیامت تک ایسا ہو سکتا ہے۔ نیز قرآن کریم میں اس کی نسبت ۱۴؍ میں وارد ہے :-

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

ترجمہ :- ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا ہے۔ اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

بڑے سے بڑا متعصب بھی تسلیم کرتا ہے کہ دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کریم کی طرح آج تک ہر قسم کی تحریفات سے پاک اور محفوظ رہی ہو۔ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک سے آجتک کوئی لمحہ اور ساعت نہیں بتائی جا سکتی جس میں ہزاروں اور لاکھوں حفاظِ قرآن موجود نہ رہے ہوں صحف اور حفاظ کے ذریعہ اس کے ہر لفظ کی اس طرح حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آجتک زیر و زبر کا فرق نہ آسکا۔ ایسا دعویٰ کر کے آخر تک اس کو نبھانا خدائی طاقت کے سوا کسی انسان سے نہیں ہو سکتا۔

دوسرے قرآن کی تعلیم فطرت کے عین مطابق، ہر قسم کے زیغ اور کجرویوں سے پاک نہایت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ زمانہ کی ضرورتیں جس قدر بڑھتی جائیں گی قرآنی تعلیم کی ضرورت اور زیادہ ہمہ گیر ہوتی جائے گی۔

قرآن کا یہ دعویٰ ہے :-

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ ۵

ترجمہ :- یہ قرآن بتلاتا ہے ۔ وہ راہ جو سب سے زیادہ سیدھی ہے

ہم اس مختصر سے رسالہ میں اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے دیگر مشہور مذاہب کے احکام کا قرآن کریم کے احکام سے موازنہ کریں گے ۔ تاکہ ناظرین اس کے بعد خود ہی فیصلہ کرلیں ۔ کہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ کس حد تک صحیح اور درست ہے ۔

سب سے پہلے ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دس مشہور احکام کو لیتے ہیں ۔ مگر چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کو خود ان کی ترتیب میں شکوک ہیں جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد ۷ ص ۱۲۵ کے مضمون DECALOGUE سے ظاہر ہے، نیز خروج کے باب ۲۵ اور باب ۳۴ کے احکام بھی بالکل مختلف ہیں ۔ گو عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ باب ۳۴ کے احکام رسومات ادا کرنے کے بارے میں ہیں، سوائے پہلے ان تین حکموں کے جن میں غیر اللہ کی پرستش اور بتوں کے پوجنے کی ممانعت آئی ہے ۔ اسلئے ہم وہی احکام اس جگہ لیں گے جو خروج کے باب ۲۵ میں درج ہیں ۔

تورات کے احکام	قرآن کریم کے احکام
۱ ۔ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے غلامی کے گھر سے نکال کر لایا میں ہوں ۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا ۔	۱ - :- ۲/۳ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۵ ترجمہ :- اور تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے ۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ ۲ - ۲۶/۴ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔

قرآنِ کریم	تورات
ترجمہ :۔ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ۔	
۳ ۔ قل انی نھیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ لما جاءنی البینٰت من ربی وامرت ان اسلم لرب العلمین ہ	
ترجمہ :۔ ان سے کہدو کہ مجھے منع کر دیا گیا اس سے کہ پوجوں ان کو جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے جبکہ پہنچ گئیں میرے پاس کھلی ہوئی نشانیاں ۔ میرے رب کی طرف سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ میں تابعدار رہوں جہان کے پروردگار کا ۔ ۲۴/۱۲	
۴ ۔ ۷/۱ الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات والنور ۔ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ہ	
ترجمہ :۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ۔ اور تاریکیوں اور نور کو بنایا پھر (باوجود اس کے) کفار اوروں کو خدا کا شریک بناتے ہیں ۔	
نوٹ ۔ اس آیت میں کفار کے تین گروہوں کی تردید کی گئی ہے ۔ ایک دہریوں کی ، جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان اشیاء کا خالق کوئی نہیں ۔ بلکہ یہ چیزیں خود بخود بن	

تورَیت

قرآن کریم

گئیں۔ دلائل سے توحید کا ثبوت اور شرک کی تردید اور ہر ایک کی جزا و سزا کا مکمل بیان قرآنِ کریم ہی کا حصہ ہے۔

دوسرے ان لوگوں کی جو اس کے قائل ہیں۔ کہ ظلمت و نور کے الگ الگ خالق ہیں۔ یعنی اہرمن و یزداں۔ تیسرے ان مشرکین کی جو بتوں کو خدا کہتے ہیں

۵ - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداہ

ترجمہ۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا ہے اس بات کو کہ اس کا شریک کیا جائے۔ اور بخشتا ہے اس کے سوا جسکو چاہے۔ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر بہت دُور جا پڑا۔

۶ - قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد ہ

ترجمہ :۔ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کو جنا۔ نہ کسی سے جنا گیا۔ اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔ (اپنی ذات و صفات میں بے مثل ہے)

اس سورۃ کا نام سورہ اخلاص ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس کا مکمل بیان ہے۔ جو

تورات

قرآنِ کریم

دعوائے توحید کے بعد تین فقروں میں ادا کر دیا گیا۔ اوّل یہ کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں جو اللہ الصمد کا مفاد ہے۔ دوم۔ نہ اس کے والدین ہیں نہ اولاد۔ یہ کلمہ لم یلد ولم یُولد سے حاصل ہے۔ کوئی اس جیسی صفتوں والا اور اس کے مرتبے کا نہیں ہے۔ اس پر کلمہ ولم یکن لہ کفواً احد دلالت کرتا ہے۔ اور یہ تینوں باتیں ہی کلمہ طیبہ کا مفاد ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ سورہ اخلاص کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ کی مکمل تفسیر ہے۔

(احیاء العلوم)

نعم من قال فی ترجمتہا

احد ذوالجلال اللہ — دائم الملک لا زوال لہ
ہمہ آفاق سوئے او محتاج — بے نیاز ست ذاتِ عالی او
نہ مثالش بود نہ ہیچ معین — پسر س کے بود و والد او

تورات

۲۔ ا۔ تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا۔

ب۔ جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین میں

قرآنِ کریم

۵۔ ا۔ لا تجعل مع اللہ الٰہاً اٰخر فتقعد مذموماً مخذولا وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ ۵

ترجمہ۔ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنانا۔ ورنہ تو قابلِ مذمت ذلیل اور رسوا ہو کر بیٹھے گا بیٹھا رہ جائے گا۔ تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا۔

یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ ان کے آگے سجدہ نہ کرنا۔ اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ میں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔ اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔

نوٹ - دیکھو کس خوبی سے توحید کی ضرورت وتحسین اور شرک کی مذمت بیان کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ بعض مذاہب میں شرکِ صریح کی تعلیم تھی، وہ بھی دانشمندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کیلئے شرکیہ عقیدہ کی ترمیم اور اصلاح کرکے آہستہ آہستہ توحید کیطرف قدم اٹھا رہے ہیں۔

قولہ تعالیٰ :- وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علیٰ قوم یعکفون علیٰ اصنام لھم قالوا یموسی اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ ۰ قال انکم قوم تجھلون ۰ ان ھؤلاء متبر ما ھم فیہ و بٰطل ما کانوا یعملون ۰

ترجمہ - اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے۔ تو پہنچے ایک قوم پر جو جمے تھے (پوجنے میں) اپنے بتوں پر۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کے لئے بھی ایک ایسا ہی خدا، جیسے ان کے خدا ہیں۔ بنا دے کہا تم لوگ بڑے جاہل ہو۔ ان لوگوں کا یہ دھندا تباہ ہونے والا ہے۔ باطل اور بے کار محض ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں۔

وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل و

توراۃ	قرآن کریم
	ترجمہ ۔ ”اور کہو کہ ہر طرح کی تعریف اسی خدا کو سزاوار ہے ۔ جو نہ تو کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت میں کوئی اُس کا شریک اور ساجھی ہے ۔ اور نہ اس میں اسکی کسی طرح کی کمزوری ہے ۔ کہ اس کے دور کرنے کے لئے اس کا کوئی مددگار ہو۔ اور اس کی بڑائی اچھی طرح کرتے رہنا ۔“
	اسی طرح غیر اللہ کی پرستش کرنے کی ممانعت سے قرآنِ مجید بھرپور ہے ۔ نہ صرف شرکِ جلی بلکہ شرکِ خفی سے بھی منع کیا گیا ہے ۔ بتوں اور مورتوں کی نسبت قرآنِ کریم میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے ۔
	۱/۵ - اذ قال لابیہ وقومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون ٥
	ترجمہ ۔ جب کہا اس (حضرت ابراہیمؑ) نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو ۔
	پھر فرمایا ۔ قال افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون ٥
	ترجمہ ۔ بولا کہ پھر کیا تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ایسے کو جو تمہارا نہ بھلا کر سکے اور نہ برا ۔ تف ہے تم پر اور ان

قرآنِ کریم	توریت

پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ کیا تمہیں سمجھ نہیں۔

دوسری طرف قرآن کریم نے چاند اور سورج کی پرستش سے یوں منع کیا ہے۔

لا تسجدوا للشمس و القمر و اسجدوا للہ الذی خلقهن ان کنتم ایاہ تعبدون ۵ ۲۴/۱۹ ۔

ترجمہ ۔ سجدہ نہ کرو سورج کو نہ چاند کو۔ اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا۔ اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔"

باپ دادا کی بدکاری کی سزا موجودہ تورات میں تیسری اور چوتھی پشت تک ملنی درج ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل تورات میں اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے۔ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے۔

۱۵/۲ ۔ امن اهتدیٰ فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها ولا تزر وازرة وزر اخریٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ۵ (سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ ۔ جو شخص ہدایت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ تو بس اپنے فائدے کے لئے سیدھی راہ پر لگتا ہے۔ اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے۔ تو اس نے بھٹک کر اپنے آپ کو بگاڑا۔ یعنی اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور کسی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ کوئی شخص اپنے سر نہیں لے گا۔ اور ہم جب تک رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں کسی پر عذاب نہیں بھیجا کرتے۔

تورات

قرآن کریم

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

ترجمہ - اور جو شخص آخرت کا متمنی ہو۔ اور اس کے لئے خوب جیسی کہ چاہیئے ویسی کوشش بھی کی۔ اور وہ ایماندار بھی ہے۔ تو یہی وہ لوگ ہیں جنکی کوشش مقبول ہوئی۔

نوٹ - ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ باپ دادا کے گناہوں کے باعث سزا یاب نہیں ہوگا۔

البتہ ماں باپ کی نیکیوں کا اجر اولاد کو بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ سورہ الطور آیت ۲۹/۳ میں فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝

ترجمہ - جن لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ اور انکی اولاد نے بھی ایمان سے ان کا ساتھ دیا۔ تو ہم انکی اولاد کو بھی ان کے درجے تک پہنچا دیں گے۔ اور ہم ان کی کارگذاریوں میں کچھ کمی نہ کریں گے۔ اور ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔

توریت

قرآن کریم

اور پھر سورہ الرعد ع۳ میں فرمایا - والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوٰة وانفقوا مما رزقنهم سرا وعلانية ويدرءون بالحسنة السيئة اولٓئك لهم عقبى الدار ۵ جنٰت عدن يدخلونها ومن صلح من ابآئهم وازواجهم وذريتهم والملٰٓئكة يدخلون عليهم من كل باب ۵ سلٰم عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ۵

ترجمہ - وہ لوگ جنہوں نے روک کر رکھا اپنے نفس کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیئے - اور قائم رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر - اور وہ دفع کرتے ہیں برائی کو نیکی سے - یعنی کرتے ہیں برائی کے بدلے میں بھلائی ان لوگوں کے لیئے ہے آخرت کی بھلائی - یعنی ہمیشہ رہنے کا باغ جس میں وہ آپ داخل ہوں گے - وہ جو نیک عمل ہوں گے (مگر اس درجہ کے نہ ہوں گے) داخل ہوں گے - اور ان کے باپ دادوں اور جوروں اور اولاد میں سے - اور فرشتے آویں گے ان کے پاس ہر دروازہ سے - کہیں گے سلامتی ہو تم پر بدلے میں اس کے کہ تم نے صبر کیا - سو خوب ملا عاقبت کا گھر - یعنی اچھا رہا انجام آخرت کا -

توریت

قرآن کریم

یعنی ماں باپ کی نیکی کا پھل صالح بیٹے کو اور صالح بیٹے کا ماں باپ کو ملتا ہے۔ ایک دوسرے کی بجائے پکڑا نہیں جاتا ہے۔ سورہ بقر کے آخر میں ہے :۔

لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت ہ

ترجمہ۔ خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے اچھا کام کیا تو اپنے نفع کے لیئے اور برا کام کیا تو اسکا وبال اسی پر پڑے گا۔

۳۔ تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے۔ دراز ہو۔

اس کے مقابلے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو۔

وبالوالدین احسانا ہ اما یبلغن عندک الکبر احدہما او کلہما فلا تقل لہما اُف ولا تنہرہما ہ وقل لہما قولا کریما ہ واخفض لہما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا ہ ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین ہ فانہ کان للاوابین غفورا ہ

ترجمہ۔ اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں (اور

تورات	قرآن کریم
	کسی بات پر خفا ہوں تو خبردار ان کے جواب میں) اُف تک نہ کہنا - اور نہ ان کو جھڑکنا - اور (جب کچھ کہنا ہو تو) بہت ادب سے بات کیا کرو اور ان کے سامنے نیاز مندی سے خاکساری کا پہلو جھکائے رکھو - اور (ان کے حق میں) دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے ، جسطرح انہوں نے میرے بچپنے میں میری پرورش کی ہے ، اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما - تمہارے دلکی بات تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے - اگر تم واقعی ایسے نیک ہو گے اور خطا ہو جانے پر اسکی طرف رجوع کرو گے (بھولے سے خطا کی ہے تو وہ تمہاری خطا معاف کر دے گا) کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ۔"
	والدین کی عزت کرنے اور ان کے ساتھ شفقت ورحمت کا سلوک کرنے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کے علاوہ سورۃ البقر آیت نمبر ۲۱۶ میں ان کی مالی امداد کرنے کے متعلق یوں ارشاد ہے ۔
	یسئلونک ماذا ینفقون ۵ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمسکین وابن السبیل و ماتفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم ۵
	ترجمہ - اے رسول تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں - جواب دو - کہ تم اپنی نیک کمائی سے

قرآن کریم	توریت
جو کچھ خرچ کرو۔ تو وہ (تمہارے) ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کا حق ہے۔ اور تم جو بھی نیک کام کرو خدا اس کو جانتا ہے۔"	
توراۃ اور قرآن کے اس حکم میں بدیہی امتیاز ہے۔ کہ توراۃ میں ماں باپ کی عزت کرنا اور اس کا دنیوی فائدہ بیان کیا ہے۔ اور قرآن کریم میں ادب اور تعظیم بجالانے اور ان کے ساتھ احکام الٰہی کے ماتحت نیک سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کے طریقے اور ہدایتیں اور احسان مندی، اور ان کے لیۓ دعا کرنے کی صورتیں سکھائی ہیں۔ چنانچہ مزید ارشاد ہوتا ہے۔	
ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ أمہ وھنا علیٰ وھن وفصلہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیرہ وان جاھدٰک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلاتطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفاً واتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون ہ	
ترجمہ۔ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے کہ پیٹ میں رکھا اسکو اسکی ماں نے باوجود تھکنے اور کمزور ہو جانے کے۔ اور دودھ چھڑانا اس کا دو برس میں تھا۔ اس امر کی تاکید کر دی کہ میرا اور اپنے	

قرآن کریم	تورات
ماں باپ کا شکریہ ادا کریں۔ آخر کار میرے ہی تک آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں زور لگائیں اس بات پر کہ تو شریک کرے میرا اس چیز کو جو تجھے معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان۔ اور ساتھ دے تو ان کا دنیا میں دستور کے مطابق۔ اور اس کے طریقہ پر چل جو میری طرف متوجہ ہوا۔ پھر میری ہی طرف تم کو پھر آنا ہے۔ اس وقت میں تم کو جتلا دوں گا وہ سب باتیں جو تم کرتے تھے۔ (سورہ لقمان پارہ ۲۱، ۱۱ -) اور سورہ عنکبوت میں ہے۔ :- ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھدٰک لتشرک بی مالیس لک بہ علمٌ فلا تطعھما ہ ترجمہ۔ ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی۔ اور اگر وہ دونوں زور لگائیں اس بات پر کہ تو شریک کرے میرا اسکو کہ جس کی فی الواقع تجھے کوئی خبر نہیں۔ تو تُو ان کا کہنا مت مان۔" دنیا میں ماں باپ سے زیادہ کسی کا حق نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حق ان سے زیادہ ہے۔ اسلئے اگر وہ شرک کی تعلیم دیں۔ تو اس سے انکار لازم ہے۔ نوٹ۔ واقعی قرآن کریم سیدھی سے سیدھی راہ بتلاتا ہے۔	

تورات	قرآن کریم
۴ - عہدنامہ قدیم۔ تُو زنا نہ کرنا۔	۴ - سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۲ :- ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلاً ترجمہ - اور (دیکھو) زنا کے پاس بھی نہ بھٹکنا کیونکہ بیشک وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے - اور بہت برا رستہ ہے۔ نوٹ - گویا زنا کرنا تو بڑی بیہودہ حرکت ہے۔ جس کے پاس جانے سے بھی روکا گیا ہے۔ (لا تقربوا) میں مبادیِ زنا سے ہی بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہٰذا اجنبی عورت کی طرف بلا عذرِ شرعی نظر کرنا، یا بوس وکنار کرنا وغیرہ۔ سب ناجائز ہیں۔ اسی لئے مبادیِ زنا سے بچانے کے لئے مختلف قسم کی ہدایتیں کی گئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ :- قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون ۝ وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (سورۃ احزاب) ترجمہ - کہدیں ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور محفوظ رکھیں اپنے ستر کو۔ ان کے لئے اس میں خوب پاکی اور ستھرائی ہے۔ بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ وہ

تورات	قرآن کریم
	کرتے ہیں ۔ اور کہدے ایمان والیوں کو کہ نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہ کی، اور نہ دکھائیں اپنا سنگار ۔ مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے۔"
	نوٹ ۔ من ابصارھم سے صاف ظاہر ہے کہ بعض نظریں جو حرام ہیں ۔ ان پر یہ حکم عائد ہوتا ہے، اسلئے مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا ۔ کہ بُری نگاہ کرنے سے بچیں اور اپنی شہوت کو قابو میں رکھیں ۔ وان اللہ خبیرٌ بما یصنعون فرما کر صاف صاف جتلا دیا ۔ کہ آنکھ کی چوری، دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اسے سب معلوم ہے ۔ زنا کی سزا کے متعلق آگے لکھا جائے گا۔
۵ ۔ تُو خون نہ کرنا ۔	۵ ۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۳ :۔
	ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق و من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا ۵
	ترجمہ ۔ جس جان کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اسکو قتل نہ کرنا ۔ مگر جائز طور پر، اور جو شخص ناحق مارا جائے تو ہم نے اس کے وارثوں کو (قاتل پر قصاص کا) قابو دیا ہے ۔ تو اسے چاہیئے کہ قتل (خون کا بدلہ لینے) میں

قرآن کریم	تورات
زیادتی نہ کرے۔ بیشک وہ مدد دیا جائے گا۔"	
نوٹ ۔ نہ صرف قتل ناحق سے منع کیا۔ بلکہ اسکے ساتھ چند ایک خاص احکام جاری کئے۔ یعنی اولیاء مقتول کو اختیار دیا گیا۔ کہ وہ حکومت سے کہکر خون کا بدلہ لیں۔ لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گذریں۔ مثلاً اذیت دیدیکر مارنا، یا قاتل کے بجائے غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں۔ یا قاتل کے ساتھ کسی اور بے گناہ کو شامل کرلیں۔ وغیرہ۔ ساتھ ہی حکام کو امر فرمایا۔ کہ حق دلانے میں کوئی کمی نہ کریں۔ بلکہ ہر ایک کو لازم ہے۔ کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ اور وارث کو بھی چاہیئے کہ ایک کے بدلہ میں دو نہ مارے۔ یا اگر قاتل ہاتھ نہ لگا۔ تو اس کے بھائی یا بیٹے کو قتل نہ کردے۔ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔ سبحان اللہ کیسے بلند پایہ احکام ہیں۔	
نیز سورۃ النساء پ۵ آیت ۱۰ میں ہے:-	
وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطأ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین	

تورات	قرآن کریم
	متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیماہ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا الیماہ
	ترجمہ - اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے - اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی - اور خونبہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو - مگر یہ کہ معاف کر دیں - پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں - اور خود وہ مسلمان تھا - تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی - اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے - تو خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو - اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی - پھر جسکو میسر نہ ہو - تو اللہ سے گناہ بخشوانے کیلئے دو مہینے متواتر روزے رکھے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے - اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر - تو اسکی سزا دوزخ ہے - اور غصہ کیا اللہ نے اس پر - اور دور کیا اسکو اپنی رحمت سے - تیار کیا اس کے لئے دردناک عذاب -
۶ - چوری نہ کرنا -	۶ - قرآن کریم میں زنا اور چوری نہ کرنے کے حکم کو ایک بڑی مصلحت سے اس آیت میں جمع کر دیا ہے -

تورات

قرآن کریم

یا یھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك
علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن و لا
یزنین و لا یقتلن اولادھن و لا یاتین بھتان
یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك
فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ
ان اللہ غفور رحیم

ترجمہ - اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کے لئے اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں کسی کو اللہ کا - اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں - اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں (عار یا مفلسی کے ڈر سے) جھوٹ اور بہتان نہ تراشیں - اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان - اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں - تو ان شرائط پر ان سے بیعت لیلے - اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے - بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے -"

خاص مصلحت اس میں یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے خاوند کا مال خرچ کرنے کی عام اجازت ہوتی ہے اور ان کو اگر وہ چاہیں تو اس میں خیانت یا چوری کا بہت موقع ملتا ہے - اسلئے عزت اور عصمت کی حفاظت کا حکم کرتے ہوئے جو خاوند کا حق ہے - اس

تورات

قرآن کریم

کے مال میں بیجا تصرف کرنے سے بھی روک دیا ہے۔
جب خاوند کے مال میں چوری کرنے سے منع کردیا گیا
ہے۔ تو غیروں کے مال میں چوری کرنے کا حق تو کسی مرد
یا عورت کو پہنچتا ہی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

۲/۲ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا
بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس
بالاثم وانتم تعلمون ہ

ترجمہ۔ اور نہ کھاؤ مال ایکدوسرے کا آپس میں
ناحق۔ اور نہ پہنچاؤ مالوں کو حاکموں تک۔ کہ کھا جاؤ
کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے ناحق حالانکہ
تم جانتے ہو۔"

۲/۵۔ اور دوسری جگہ فرمایا :۔

یا یھا الناس کلوا مما فی الارض حللا طیبا و
لا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین ہ

ترجمہ۔ اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال
پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی۔ بیشک وہ تمہارا کھلا
دشمن ہے۔"

صریح چوری تو کیا۔ ہر اس چیز کے کھانے سے منع
کیا۔ جو ناجائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہو۔ یتیم کا مال
کھانے سے تو بڑی سختی سے روکا۔ حکم ہوتا ہے :۔

تورات

قرآن کریم

(۱۴/۱۲) ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلماً انما
یاکلون فی بطونھم ناراً وسیصلون سعیراہ
ترجمہ - جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق
وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں - اور عنقریب
داخل ہوں گے آگ میں -

چوری اور بد دیانتی کا موقعہ ناپ تول میں بھی اکثر
ہوتا ہے - اس لئے اس سے بھی منع فرمایا :-

(۳۵/۸) ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی
الناس یستوفون ہ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون ہ
الا یظن اولٰٓئک انھم مبعوثون لیوم عظیم ہ
یوم یقوم الناس لرب العٰلمین ہ

ترجمہ - خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی -
وہ لوگ جب اوروں سے ناپ کر لیں - تو پورا لیں - اور
جب ناپ کر دیں - ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں - کیا وہ
لوگ اتنا بھی خیال نہیں کرتے - کہ وہ اٹھائے جائیں گے
اس بڑے دن کے واسطے - جس دن کھڑے ہوں گے لوگ
حساب دینے کیلئے جہان کے مالک کے سامنے -"

نوٹ - ہر شخص جانتا ہے کہ زر، زن، زمین
سب جھگڑوں اور فسادات کی جڑ ہیں بنیاد ہیں -
زر کے حاصل کرنے کیلئے ہی تو چوری اور ڈاکے کے

تورات

قرآن کریم

جرائم کئے جاتے ہیں۔ اگر زنا اور چوری بند ہو جائے تو دنیا میں ۷۵ فیصد جرائم کم ہو جائیں۔ اسی لئے ان دو جرموں کی عبرتناک سزا تجویز کی گئی ہے۔

۶:- انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم ٭ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم ٭

ترجمہ ۔ جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے ۔ یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے ۔ یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے ۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں ۔ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے ۔ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔"

نوٹ ۔ اللہ اور رسول سے جنگ کرنا ، یا زمین

قرآن کریم	تورات
میں فساد اور بد امنی پھیلانا - یہ دو لفظ ایسے ہیں - جن میں کفار کے حملے - ارتداد کا فتنہ ، راہزنی ، ڈکیتی قتلِ ناحق ، بغاوت اور مجرمانہ سازشیں ، مغویانہ پروپیگنڈا وغیرہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں - مگر چونکہ ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے ہیں - پہلا[1] یہ کہ قتل کیا ہو ، مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو ، تو اس کے لئے لفظ ان یقتلوا ہے - دوسرا[2] جنہوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لیا ہو ، ان کی سزا لفظ یصلبوا کے ساتھ بیان کی - تیسرا[3] جنہوں نے مال چھین لیا لیکن قتل نہیں کیا - ان کی سزا یہ ہے - تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف - چوتھا[4] - جو نہ مال چھین سکے اور نہ قتل کر سکے - مگر فساد کے ارادہ سے لوگوں کو ڈرانے اور دھمکانے میں مصروف تھے - کہ گرفتار کر لئے گئے ان کی سزا ینفوا من الارض سے بیان کی ، اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا - کہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لینے سے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے - حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے - مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو واپس دینا ہو گا - قتل کیا تھا تو قصاص دینا پڑے گا - البتہ ان چیزوں کو معاف کرنے کا حق صاحبِ مال اور ولیٔ مقتول کو حاصل ہے -	

تورىت	قرآن کریم
	## قرآن کریم ب۶ - والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاءً بما کسبا نکالا من الله والله عزیز حکیم ۝ فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله یتوب علیه ان الله غفور رحیم ۝ ترجمہ - اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، کاٹ ڈالو اُن کے ہاتھ سزا میں، ان کی یہ سزا بطور عبرت ہے۔ اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ پھر جس نے توبہ کی ایسے ظلم کے پیچھے اور درست کیا اپنی حالت کو یعنی نیک بن گیا۔ تو اللہ قبول کرتا ہے توبہ اسکی۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" اوپر ذکر آچکا ہے۔ کہ ڈکیتی کی حالت میں جب قتل نہ کیا ہو، اور صرف مال چھینا ہو۔ تو ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں۔ مگر چوری کی سزا میں صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چوری کی سزا کے متعلق لفظ نکالاً آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سزا عبرت کے لئے ہے۔ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہونگی۔ دو چار ہی کی سزا یابی کے بعد چوری کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں۔ کہ :- آجکل کے مدعیان تہذیب اس قسم کی حدود کو وحشیانہ

توریت

قرآن کریم

سزا سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے۔ تو یقیناً ان کی مہذب سزا اس غیر مہذب دستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں۔ تو حاملینِ تہذیب کو خوش ہونا چاہیئے۔ کہ ان کے تہذیبی مشن میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔

میرے خیالِ ناقص میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایسی ہے جیسا کہ ایک لائق ڈاکٹر جب یہ دیکھتا ہے کہ ایک عضو ایسا خراب ہو چکا ہے کہ اگر اسکو نہ کاٹا گیا تو مریض کی جان بھی چلی جائے گی۔ تو وہ عضو کاٹ ڈالتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عضو کا کاٹنا اس شخص کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ نہ کہ باعثِ زحمت۔ اسی طرح ہماری سوسائٹی کا حال ہے۔ اگر ایک شہر میں ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اور باقی کے شہری امن اور چین سے اپنی زندگی بسر کریں۔ تو کیا آپ ایسی حالت کو موجودہ حالات پر ترجیح نہ دیں گے؟ میرے خیال میں تو رائے عامہ اسی کے موافق ہو گی۔ اس کے علاوہ چوری کی بدعات جو بذریعہ ہاتھ کے دل و دماغ تک سرایت کر کے اس کے زہریلے اثرات تمام بدن میں پھیلنے والے تھے۔ ہاتھ کے کٹ جانے سے رک گئے۔ اور

قرآن کریم

مجرم اس کے ہلاکت آفرین اثرات اور روحانیت کو ختم کرنے والے تاثرات سے محفوظ ہوگیا۔ اور سارا بدن جہنم میں جانے سے بچ گیا۔ گویا ہاتھ کا کٹنا خود مجرم کے حق میں بھی اسی قدر مفید ہے۔ جیسا کہ امنِ عامہ کیلئے اور دوسرے لوگوں کے لئے ہے۔ یہی حال زنا کی سزا کا ہے۔ پ۱۸ میں ہے:۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بہما رأفۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ولیشہد عذابہما طائفۃ من المؤمنین ٥

ترجمہ۔ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو سو درے مارو۔ اور نہ آئے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں۔ اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ اور حاضر رہیں ان کے مارنے میں کچھ مسلمان۔

توریت

زنا کی سزا کے متعلق توریت میں اس طرح ہے۔ دیکھو استثنا باب ۲۲ جملات ۲۲، ۲۳:۔ اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تُو بنی اسرائیل سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔ اگر کوئی کنواری

توریت

لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو۔ اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پاکر اس سے صحبت کرے۔ تو تم ان دونوں کو شہر کے پھاٹک پر نکال لاؤ۔ اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسائے کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

انجیل

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکم سنیئے۔ متی باب ۵ فقرہ جات ۲۷ لغایت ۳۰ میں اس طرح ہے:۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا۔ کہ زنا نہ کرنا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی۔ وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے۔ کہ تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر تیرا داہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے (میں کہتا ہوں کہ چوری میں ایسا ہی ہوتا ہے) تو اسے کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے۔ کہ تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔"

ایک اور امر یہاں واضح کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ یوحنا کے باب ۸ فقرہ جات ۳ لغایت ۱۱ میں ہے۔ کہ:۔

فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا کہ اے استاد! یہ عورت زنا میں پکڑی گئی ہے۔ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تُو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے کہا کہ:۔

"جو تم میں بے گناہ ہو، وہی پہلے اسکو پتھر مارے"۔ یہ سنکر سب لوگ چلے گئے۔ حضرت عیسیٰ نے آخر اس عورت کو کہا کہ:۔

"جا چلی جا پھر گناہ نہ کرنا"۔

مگر حال کے نقادوں کے مطابق یہ داستان یوحنا کی انجیل میں پہلے نہیں تھی۔ کسی نے بعد ازاں جڑ دی۔ دیکھو انسائیکلو پیڈیا جلد ۳ ص ۵۱۹ مضمون

Yestual critism.

توریت

۷۔ تم اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی شہادت نہ دینا۔

قرآن کریم

قرآن مجید میں جھوٹی گواہی دینے سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ خواہ وہ پڑوسی کے خلاف ہو یا موافق۔ اپنے اقربا اور عزیزوں کے حق میں ہو۔ یا حق گوئی سے اپنا نقصان ہوتا ہو۔ پھر بھی جھوٹی گواہی نہ دے۔ بلکہ دشمنوں کے خلاف بھی جھوٹی شہادت دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

توریت

قرآن کریم

۶/۹ - یایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء
بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا
اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون
ترجمہ - اے ایمان دارو! خدا کی (خوشنودی)
کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کیلئے تیار ہو جاؤ۔
اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس جرم میں نہ پھنسا دیوے
کہ تم ناانصافی کرنے لگو۔ تم (ہر حال میں) انصاف کرو۔
یہی پرہیزگاری سے بہت قریب ہے۔ اور خدا سے ڈرو۔
کیونکہ جو کچھ کرتے ہو (اچھا یا برا)، خدا اسے ضرور جانتا
ہے۔"

۵/۴ سورہ لنساء میں ہے۔ یایھا الذین آمنوا کونوا
قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم
او الوالدین و الاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ
اولیٰ بھما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا وان تلووا
او تعرضوا فان اللہ بما تعملون خبیرا ہ
ترجمہ - اے ایمان والو! مضبوطی کے ساتھ انصاف
پر قائم رہو۔ اور خدا لگتی گواہی دو۔ اگرچہ (یہ گواہی) خود
تمہارے، یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے خلاف
ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ مالدار ہو یا محتاج تو اللہ ان کا خیرخواہ
تم سے زیادہ ہے۔ تم (حق سے) کترانے میں خواہشِ نفس کی

قرآن کریم	توریت
پیروی نہ کرو۔ اگر تم زبان پھیر کر اِدھر اُدھر کی باتیں بناؤ گے۔ یا حق سے اعراض کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے آگاہ و خبردار ہے۔ اکثر انسان دوستی یا دشمنی کی وجہ سے جھوٹی گواہی دیا کرتا ہے۔ اس آیت میں دونوں ہی سے منع فرما دیا گیا ہے۔	
سورہ النساء آیت ۳۶ - واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئًا وبالوالدین احسانا وبذی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین والجار ذی القربٰی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالًا فخورا ۵ ترجمہ - اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور ماں باپ اور قرابت والوں۔ یتیموں، مسکینوں، ہمسایہ، قریب اور دُور کے، پہلو میں بیٹھنے والے مصاحبین اور پردیسی مسافروں اور لونڈی غلام کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ بیشک خدا اکڑ کر چلنے والوں اور شیخی بازوں کو دوست نہیں رکھتا۔" نوٹ - اس آیت میں پڑوسی کی کسی چیز کا لالچ کرنے کی بجائے اس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔	۸ - تُو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا۔ اور نہ اس کے غلام اور اسکی لونڈی اور اس کے بیل اور گدھے کا۔ اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔
ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینهما فی ستة ایام وما مسنا من لغوب ۵	۹ - یاد کر کہ تو سبت کے

توریت

دن کو پاک ماننا چھ
دن تو محنت کرکے اپنا
سارا کام کاج کرنا لیکن
ساتواں دن خداوند
تیرے خدا کا سبت ہے،
اس میں نہ تو کوئی کام
کر نہ تیرا بیٹا نہ تیری
بیٹی، نہ تیرا غلام نہ تیری
لونڈی، نہ کوئی مسافر
جو تیرے ہاں تیرے
پھاٹکوں کے اندر ہو۔
کیونکہ خداوند نے چھ دن
میں زمین و آسمان اور
سمندر اور جو کچھ ان
میں ہے۔ وہ سب کچھ
بنایا۔ اور ساتویں دن
آرام کیا۔ اسلئے خداوند
نے سبت کے دن کو
برکت دی۔ اور اسے
مقدس ٹھہرایا۔

قرآن کریم

ترجمہ۔ اور ہم نے یقیناً سارے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ چھ دن میں پیدا کیئے اور تھکان نے ہمیں نہیں چھوا۔

غرض توریت کے لفظ کہ کام کرنے سے جو تھکنے کا شبہ ہوتا تھا۔ وہ قرآن نے بالکل صاف کر دیا۔ اور دوسری جگہ ہے۔ کل یوم ھو فی شان ہ

ترجمہ۔ ہر روز وہ ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے۔"

سبت یعنی ہفتہ کے دن کی بجائے جمعہ کے دن کو مسلمانوں کے لئے چن لیا۔ جس کی نسبت قرآن میں یوں فرمایا ہے۔

یایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ہ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ہ

ترجمہ۔ اے ایمان دارو جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کیلئے اذان دی جائے۔ تو خدا کے ذکر (خطبہ اور نماز) کی طرف دوڑو۔ اور جلدی کرو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ جب پھر نماز ہو چکے

توریت

۸ - تُو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا - اور خداوند بے گناہ نہ ٹھہرائیگا۔

قرآن کریم

تو زمین میں پھیل جاؤ - اور خدا کے فضل سے (اپنی روزی) کی تلاش کرو - اور خدا کو بہت یاد کرتے رہا کرو - کہ تم دلی مرادیں پاؤ -

خداوند کریم کو تھکان تو کیا ہو سکتی تھی - اور نہ اس خیال سے جمعہ کے دن کو عبادت کیلئے خاص کیا بلکہ عقبیٰ اور دنیا کو بہتر بنانے کیلئے ہدایت فرمائی - چنانچہ جمعہ کے دن نماز و ذکر خدا کے علاوہ تمام دن بیکار بیٹھنے کی بجائے تلاش روزگار کی بھی ترغیب دی -

۸ - پ ۷/۲ میں آیا ہے -

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما
عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مسکین
من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ
فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام ذلک کفارۃ ایمانکم
اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم کذلک یبین اللہ
لکم ایتہ لعلکم تشکرون ۝

ترجمہ - خدا تمہارے بیکار قسموں (کے کھانے) پہ (تو خیر) گرفت نہ کرے گا - مگر بالقصد پکی قسم کھانے (اور اس کے خلاف کرنے پر) تو ضرور تمہاری پکڑ کریگا (لو سنو) اس کا جرمانہ جیسا تم خود اپنے اہل و عیال کو

قرآنِ کریم	توریت
کھلاتے ہو۔ اسی قسم کا اوسط درجہ کا دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ پھر جس سے یہ سب نہ ہو سکے تو تین دن کے روزے (رکھنا) یہ (تو) تمہاری قسموں کا جرمانہ ہے۔ جب تم قسم کھاؤ (اور پوری نہ کرو) اور اپنی قسموں (کے پورا کرنے) کا خیال رکھو۔ خدا اپنے احکام کو تمہارے واسطے یوں صاف بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم شکر کرو۔ ۲/۱۲ میں آیا ہے۔ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم واللہ غفور رحیم ۵ ترجمہ۔ تمہاری لغو قسموں پر (جو بے اختیار زبان سے نکل جائے) خدا تم سے گرفت نہیں کرے گا۔ مگر ان قسموں پر ضرور تمہاری گرفت کرے گا۔ جو تم نے قصداً دل سے کھائی ہو۔ اور خدا بخشنے والا بردبار ہے۔	

احکامِ انجیل و قرآنِ کریم

یہاں سے انجیل کے متعلق لکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایک اولوالعزم پیغمبر تھے۔ اور ان کا کوئی فرمان ناقص یا قابل اعتراض ہو سکتا۔ مگر ہمارے پاس موجودہ زمانہ کی انجیل کے سوا کچھ نہیں۔ اسلئے جو کچھ بھی اس موقعہ پر لکھا جائے گا۔ اس کا ماخذ موجودہ انجیل ہی ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی آیت۔

کہ قرآنِ کریم کی آیت ۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ۔ اور تمہارے اس دین اسلام کو پسند کیا) نے ببانگِ دہل یہ بتلا دیا کہ پرانی کتابوں کی نسبت خواہ وہ توریت ہو یا انجیل یا کوئی اور آسمانی کتاب ، قرآنِ کریم کے احکام خاتم النبیین پر نازل ہونے کی وجہ سے تمام اخروی اور دنیوی امور پر حاوی ہیں ۔ اسلئے اس میں احکام کی زیادہ تفصیل ہے ۔ اور زمانہ کے حالات کے مطابق جو کمی سالقہ احکام میں رہ گئی تھی ۔ وہ اس میں باحسن وجوہ پوری کی گئی ہے ۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم مفصل طور پر متی کے باب ۵ میں دی گئی ہے اسلئے اسی کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے ۔

انجیل

فقرہ جات ایک لغایت ۱۰ میں ہے ۔

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں ، جو حلیم ہیں ، جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں ۔ جو رحمدل ہیں جو پاک دل ہیں ، جو صلح کراتے ہیں ۔ جو

قرآن کریم

مگر قرآن کریم کی سورہ فرقان پ ۱۹/۴ میں خدا کے خالص بندوں کی اس طرح تعریف کی گئی ہے ۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلٰما ط والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما ط والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ط ان عذابھا کان غراما ط انھا ساءت مستقرا و مقاما ط والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما ط والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر

انجیل	قرآن کریم
راستبازی کے سبب سے ستائے گئے۔	ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما ہ یضعف لہ العذاب یوم القیمۃ ویخلد فیہ مہانا ط الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت وکان اللہ غفوراً رحیما ط ومن تاب وعمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ متابا ہ والذین لا یشہدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما ہ والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا ط والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما ہ
	ترجمہ - اور رحمٰن یعنی (خدا) کے خالص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں - اور جب جاہل ان سے جہالت کی بات کرتے ہیں - تو سلام کہتے ہیں - اور جو اپنے پروردگار کے واسطے سجدہ اور قیام میں رات گذارتے ہیں، اور وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ پروردگارا ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھ - کیونکہ اس کا عذاب بہت سخت اور پائیدار ہوگا - بیشک وہ بُرا ٹھکانہ ہے - اور بُرا مقام ہے - اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں - تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں - اور نہ تنگی کرتے

انجیل

قرآن کریم

ہیں۔ اور ان کا خرچ اس کے درمیان اوسط درجے کا رہتا ہے۔ اور وہ لوگ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے۔ اور جس جان کے مارنے کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔ اسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا، وہ آپ اپنے گناہ کی سزا بھگتے گا۔ قیامت کے دن اس کے لئے دونا عذاب کر دیا جائے گا۔ اور اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔ مگر ہاں جس شخص نے توبہ کی اور ایمان قبول کیا، اور کوئی بڑا اچھا کام کیا۔ تو (البتہ) ان لوگوں کی برائیوں کو خدا نیکیوں سے بدل دیگا۔ اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جس شخص نے توبہ کر لی اور اچھے اچھے کام کئے۔ تو بیشک اس نے خدا کی طرف (سچے دل سے) حقیقۃً رجوع کیا۔ اور وہ لوگ جھوٹ فریب کے پاس نہیں بھٹکتے۔ اور وہ لوگ جب کسی بیہودہ کام کے پاس سے گذرتے ہیں۔ تو بزرگانہ انداز سے گذر جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جب انہیں پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں۔ تو بہرے اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور و فکر بھی کرتے ہیں) اور وہ لوگ جو یوں دعا کرتے ہیں۔ کہ اے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔"

انجیل

قرآن کریم

کئی ایک جگہ قرآن کریم میں مومنوں کیلئے فلاح کا لفظ کہا گیا ہے۔ جو زیادہ واضح طور پر اور نتائج سے اطلاع دیتا ہے۔ سورہ المومنون ملاحظہ ہو۔

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون
والذین هم عن اللغو معرضون والذین هم
للزکوٰۃ فاعلون والذین هم لفروجهم حافظون
الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم
غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراء ذٰلك فاولٰئك
هم العٰدون والذین هم لامٰنتهم وعهدهم
راعون والذین هم علی صلوٰتهم یحافظون اولٰئك
هم الوارثون الذین یرثون الفردوس هم فیها خالدون

ترجمہ ۔ البتہ وہ ایمان لانیوالے کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں (خدا کے سامنے) گڑگڑاتے ہیں۔ اور جو بیہودہ باتوں سے منہ پھیرے رہتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کو بچاتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیزوں سے کہ ان کے بارے میں کسی قسم کا الزام نہیں۔ لہٰذا جو شخص اس کے سوا کسی اور طریقہ سے شہوت پرستی کی تمنا کرے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے وارث ہیں جو بہشت

انجیل	قرآن کریم
	بریں کا حصہ لیں گے۔ اور یہی لوگ اسمیں ہمیشہ (زندہ) رہیں گے قرآن کریم کے مطابق نیک لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نیک عمل بھی کرتے ہیں۔ پ ۳۰/۲۳ میں فرمایا۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولٓئک هم خیر البریة۔ ترجمہ۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے۔ یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ اعمال صالح بھی مفصل طور سے مختلف مقامات پر بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی اگر فہرست دیکھائے۔ تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ مگر یہاں کی مناسبت اور جو موازنہ میں مدد دے گا۔ وہ بیان کرتا ہوں۔ چنانچہ پاک ولی کے متعلق فرمایا۔ ونفس وما سوٰها فالهمها فجورها وتقوٰها قد افلح من زکٰها وقد خاب من دسٰها ۳/۱۶ ترجمہ۔ قسم ہے جان کی اور اسکی جس نے اسکو درست کیا۔ پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اسے سمجھا دیا۔ بس جس نے اس جان کو گناہ سے پاک رکھا۔ وہ کامیاب ہوا۔ جس نے اسکو دبا دیا وہ نامراد رہا۔"

انجیل

قرآن کریم

حضرت ابراہیم کی دعا جو پ ۲۹/۹ میں ہے۔ اس کے آخر میں اس طرح آیا ہے۔

ولا تخزنی یوم یبعثون یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم ہ

ترجمہ۔ اور جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو مجھے رسوا نہ کرنا۔ جس دن نہ تو مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ لڑکے بالے۔ مگر جو شخص خدا کے سامنے (گناہوں سے پاک) دل لئے حاضر ہو گا۔

صلح کرانے کے بارے میں ارشاد ہے۔

پ۵/۱۴ وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیماط لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس و من یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجراً عظیما۔

ترجمہ۔ اور خدا ہی نے تو مہربانی کی کہ آپؐ پر اپنی کتاب و حکمت نازل کی۔ اور جو باتیں آپؐ نہ جانتے تھے۔ وہ آپؐ کو سکھا دیں۔ اور آپؐ پہ تو خدا کا بڑا فضل ہے۔ (اے رسول) ان کی بیشتر راز کی باتوں میں بھلائی کا تو نام تک نہیں۔ مگر (ہاں) جو شخص کسی کو صدقہ دینے، یا اچھے کام کرنے، یا لوگوں کے درمیان میں ملاپ کرانے کا حکم دے

قرآن کریم	انجیل
(تو البتہ ایک بات ہے۔) اور جو شخص (محض) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ کام کرے گا۔ تو ہم عنقریب ہی اسے بڑا اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔	
پھر پ ۲/۱۲ میں اس طرح ہے۔	
لا تجعلوا اللّٰہ عرضۃ لایمانکم ان تبرّوا و تتقوا و تصلحوا بین الناس واللّٰہ سمیع علیم ۵	
ترجمہ۔ اور (مسلمانو) تم اپنی قسموں کے (حیلے) سے خدا کے نام کو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے اور (خدا سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے کا مانع نہ ٹھہراؤ اور (خدا سب کی سنتا اور سب کو جانتا ہے"۔	
حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے حلم اور بردباری کی یوں تعریف فرمائی ہے۔	
فبما رحمۃ من اللّٰہ لنت لھم و لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ ان اللّٰہ یحب المتوکلین ط	
ترجمہ۔ (اے رسول! یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے۔ تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے	

انجیل	قرآن کریم
	پس (اب بھی) تم ان سے در گذر کرو۔ اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔ اور ان سے کام میں مشورہ لیا کرو۔ پھر جب کسی کام کی ٹھان لو۔ تو خدا ہی پہ بھروسہ رکھو۔ (کیونکہ) جو لوگ خدا پہ بھروسہ رکھتے ہیں۔ خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔"
پھر متی کے فقرے ۲۱، ۲۲، ۳۸ لغایت ۴۲ میں درج ہے اور تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا۔ اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو گا، وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ اور	سورۃ الرعد کی آیت ۲۲ میں اس طرح ہے۔ والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوۃ وانفقوا مما رزقنهم سرًّا وعلانية ويدرءون بالحسنة السيئة اولٓئك لهم عقبى الدار۔ ترجمہ ۔ اور وہ (سمجھ دار) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی خوشنودی کیلئے تکالیف پر صبر کیا۔ (مصیبت آنے پر وہ اس کو بخوشی جھیل گئے۔ اور پابندی سے نماز ادا کی۔ اور جو کچھ ہمنے انہیں روزی دی۔ اس میں سے چھپا کر اور دکھلا کر (خدا کی راہ) میں خرچ کیا۔ اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے رہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کی بھلائی محفوظ ہے۔" یہ ظاہر ہے کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرنا اس سے کئی حصہ بہتر ہے۔ کہ ظالم کے طمانچہ کے آگے اپنا دوسرا

انجیل

جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا۔ وہ صدر عدالت کی۔ اور جو کوئی اسے احمق کہے گا تو وہ آتشِ جہنم کا سزاوار ہوگا۔ تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے میں آنکھ اور دانت کے بدلے میں دانت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی نالش کرکے تیرا کرتہ لینا چاہتا ہے۔ تو تو چغہ بھی اسے لینے دے

قرآن کریم

گال رکھ کر اسے برائی پر مزید دلیر کیا جائے۔ یا اسے اسکی من مانی کاروائی کرنے پر چھوڑ دیا جائے۔

دوسری جگہ سورۃ الشوریٰ میں آیا ہے۔

والذین یجتنبون کبٰئر الاثم والفواحش و اذا غضبوا ھم یغفرون ۝ والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنٰھم ینفقون ۝ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون ۝ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظلمین ۝ ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰئک ما علیھم من سبیل ۝ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس و یبغون فی الارض بغیر الحق اولٰئک لھم عذاب الیم ۝ ولمن صبر و غفر ان ذلک لمن عزم الامور ۝

ترجمہ ۔ اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں۔ اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں۔ اور جب غصہ آجاتا ہے۔ تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ان کے کل کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے۔ اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور (وہ ایسے ہیں کہ) جب ان پر (کسی قسم کی) زیادتی

انجیل

اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے۔ اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے۔ اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے۔ اس سے منہ نہ موڑ۔

قرآنِ مجید

ہوتی ہے۔ تو وہ واجبی بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی قسم کی برائی ہے۔ ہاں جو شخص معاف کر دے۔ اور (معاملہ کی) اصلاح کر دے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے۔ بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جس پر ظلم ہوا ہو۔ وہ اگر اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو بس ان لوگوں پر ہوگا۔ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور روئے زمین پر ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو صبر کرے۔ اور قصور معاف کر دے تو بیشک یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔

ان آیات میں انسانی فطرت کے مطابق برائی کے حکیمانہ قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ برائی کے مقابلہ میں جہاں تک ممکن ہو، بھلائی کی جائے۔ اس سے بڑھ کر صبر کی کیا تلقین ہو سکتی ہے۔ اسی لئے سعدی فرماتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء
اگر مردی احسن الیٰ من اساء

دوسری جگہ سورہ حجرات میں چند نصائح بیان کرتے ہوئے انسان کی شرافت کا معیار اخلاق پر رکھا ہے۔

انجیل

قرآن کریم

٢٦/١٣ واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی
کثیر من الامر لعنتم ولکن اللہ حبب الیکم
الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق
والعصیان اولئک ھم الراشدون فضلا من
اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم ٥
وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا
بینہما فان بغت احدٰہما علی الاخرٰی فقاتلوا التی
تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا
بینہما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ٥
انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم
واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ٥
یایہا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسٰی
ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء عسٰی
ان یکن خیرا منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا
تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ٥
ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون ٥
یایہا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن
ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب
بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ
میتا فکرہتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم

انجیل	قرآن کریم
	یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکرٍ و انثٰی و جعلنکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیرٌ ہ
	ترجمہ - اور جان رکھو کہ تم میں خدا کے پیغمبر (موجود) ہیں۔ بہتیری باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں رسول تمہارا کہنا مان لیا کرے۔ تو الٹے تم ہی مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے۔ اور اسکو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔ اور کفر اور نافرمانی اور بدکاری سے تم کو بیزار کر دیا ہے۔ یہی لوگ خدا کے فضل سے راہ ہدایت پہ ہیں۔ اور خدا تو بڑا واقف کار حکمت والا ہے۔ اور اگر مومنین سے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں۔ تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے۔ تو جو (فرقہ) زیادتی کرے۔ تم بھی اس سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب رجوع کرے۔ تو فریقین میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف سے صلح کا کام لو۔ بیشک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہا کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایماندارو تم سے کسی قوم کے

انجیل	قرآن کریم
	مرد دوسری قوم کے مردوں کی ہنسی نہ اڑائیں۔ ممکن ہے وہ لوگ (خدا کے نزدیک) ان سے اچھے ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں کا (تمسخر) کریں۔ کیا تعجب ہے۔ کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔ اور تم آپس میں طعنے نہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو طنزیہ لقب دو۔ ایمان کے بعد دوسرا برا نام فسق ہے، یعنی فاسق ہونا۔ اور جو لوگ باز نہ آئیں۔ تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ اے ایمان دارو، بیشتر گمانِ بد سے بچے رہو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔ اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی کوئی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اسبات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم تو (اس سے ضرور) نفرت کروگے۔ اور خدا سے ڈرو کہ بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے لوگو! ہم نے تو تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر لو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو۔ بیشک خدا بڑا واقف کار ہے۔"

قرآن کریم	انجیل
سورۃ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۴ میں ہے۔	
ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین ٥ ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ٥ وما یلقھا الا ذو حظ عظیم ٥	
ترجمہ۔ اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے۔ کہ جو (لوگوں) کو خدا کی طرف بلائے۔ اور اچھے اچھے کام کرے۔ اور کہے کہ میں بھی یقیناً (خدا کے) فرمانبردار بندوں میں سے ہوں۔ اور بھلائی برائی کبھی برابر نہیں ہو سکتی۔ تو برائی کا ایسے طریقہ سے جواب دو کہ جو نہایت اچھا ہو۔ (ایسا کرو گے) تو (تم دیکھو گے کہ) جس سے تمہاری دشمنی تھی۔ گویا وہ تمہارا دلی دوست ہے۔ یہ بات ملتی ہے اس شخص کو جو بڑا خوش قسمت ہے (یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہیئے۔ کہ بُری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے)	
یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ٥ واتقوا النار التی اعدت	

قرآن کریم	انجیل
للکفرین ۵ واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون ۵ وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین ۵	
ترجمہ ۔ اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دُونے پر دونا ۔ اور ڈرو اللہ سے ۔ تاکہ تمہارا بھلا ہو ۔ اور بچو اس سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے ۔ اور خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرو ۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو ۔ جس کی وسعت سارے آسمان اور زمین کے برابر ہے ۔ اور ان پرہیز گاروں کیلئے مہیا کی گئی ہے ۔ جو خوشحالی میں اور کٹھن وقت میں بھی اپنے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطاؤں سے درگذر کرتے ہیں ۔ اور نیکی کرنے والوں سے خدا الفت رکھتا ہے ۔	
اس پر میں نے اپنے رسالہ گلدستہ معانی میں حسب ذیل نوٹ دیا ہے ۔	
غور کرنے کا مقام ہے ۔ کہ سُود در سُود کھا کر دنیا میں کوئی ایک دو مکان بنائے گا ۔ گاؤں آباد کرلے گا	

انجیل

قرآن کریم

جاگیر حاصل کرے گا۔ مگر انجام کے لحاظ سے یہ کسقدر گھاٹے کا سودا ہے۔ کہ وہ سود خوار ایسی وسیع جنت کو چھوڑ کر آگ کو اپنا ٹھکانہ بناتا ہے۔ جنت تو ایسے پرہیزگاروں کے حصہ میں آئے گی جو نہ صرف سود سے باز رہتے ہیں۔ بلکہ فراخی تو کیا تنگدستی میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور سود خواروں کی طرح دوسروں کی محتاجی اور تنگدستی سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کی محتاجی اور تنگدستی کو دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی ان کی رقم کسی کے ذمہ واجب الوصول ہوتی ہے۔ یا کوئی محتاج ان سے چمٹ کر مانگتا ہے تو وہ اپنے جامے سے باہر نہیں ہوتے۔ بلکہ غصے کو روکتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے قصور نہ صرف معاف کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی واجب الوصول رقوم سے دستبردار بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسے محسنین اللہ کو محبوب ہیں۔

ایک روز حضرت حسن رضی اللہ عنہ معہ اپنے مہمانوں کے دستر خوان پر بیٹھے تھے۔ آپ کا خادم گرم گرم شوربے کا کاسہ لیکر مجلس میں آیا۔ اس کا پاؤں حاشیہ بساط پر پھسلا اور کاسہ حضرت حسنؓ کے سر مبارک پر گرا اور ٹوٹ گیا۔ گرم گرم شوربا سر مبارک پر پڑا آپؓ نے از روئے

انجیل	قرآنِ کریم
	تادیب خادم کو تیز نظروں سے دیکھا۔ تو خادم کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ الکاظمین الغیظ۔ آپؓ نے فرمایا۔ میں نے غصہ کو فرو کیا۔ پھر خادم نے کہا۔ والعافین عن الناس۔ آپؓ نے فرمایا۔ میں نے عفو کیا۔ خادم نے بقیہ آیت کو پڑھا۔ آپؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے تجھے آزاد کیا۔
	پھر یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رح کو کسی نے طمانچہ مارا۔ آپ نے فرمایا۔ میں تجھے مار سکتا ہوں، لیکن نہ ماروں گا۔ اور قادر ہوں کہ خلیفہ سے تیری شکایت کروں، مگر نہ کروں گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت تیرے ظلم سے حضرت الٰہ کی طرف نالہ و فریاد کروں، مگر نہ کروں گا۔ اگر مجھے بروز حشر رستگاری ہوئی اور اللہ میری شفاعت قبول کرے۔ تو تیرے بغیر بہشت میں نہ جاؤں گا۔ اور نہ قدم رکھوں گا۔
	ان دونوں بزرگانِ قوم کا عمل ایک مجھ جیسے دنیا دار کو خواہ کیسا ہی حدِ عمل سے بالا معلوم ہوتا ہو۔ مگر وہ تعلیم قرآنی کے عین مطابق تھا۔
	۱۶ دوسری جگہ فرمایا ہے۔
	لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم وکان اللہ سمیعاً علیماً ہ ان تبدوا خیراً او تخفوہ

انجیل	قرآن کریم
	اوتعفوا عن سوءٍ فان اللہ کان عفواً قدیراً ہ
	ترجمہ - اللہ تعالیٰ کسی کی برائی ظاہر کرنے کو پسند نہیں کرتا - مگر جس پر ظلم ہوا ہو - وہ ظالم کے ظلم کا اظہار کر سکتا ہے - تحقیق خدا تعالیٰ مظلوم کی فریاد سننے والا اور ظالم کے ظلم کو جاننے والا ہے. اگر تم بھلائی کی بات ظاہر طور پر کرو یا پوشید طور پر یا کسی کی بدی کو معاف کردو - (کہ تم اس پر مواخدہ نہ کرو) تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا ہے - عاصیوں سے اور بدلہ لینے اور دینے پر قدرت رکھنے والا ہے
	باقی رہا انجیل کا حکم کہ تجھ سے کرتہ لینا چاہے تو تو چوغہ بھی اسکو دیدے - اور جو تجھ سے قرض مانگے تو اس سے منہ نہ موڑ وغیرہ وغیرہ - اس کے متعلق بھی قرآنِ مجید نے بڑے حکیمانہ انداز میں یوں فیصلہ کیا ہے - ۲/۱ میں ہے -
	یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیرٍ فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل وماتفقوا من خیرٍ فان اللہ بہ علیمہ
	ترجمہ - آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ؟ آپ ان سے کہہ دیجئے - کہ تم جو کچھ مال میں

قرآن کریم	انجیل

سے خرچ کرنا چاہو۔ تو وہ ماں باپ کے لئے اور قربت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کیلئے ہے۔ اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی۔ سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے۔ آگے ۲/۱ میں فرمایا۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو

ترجمہ۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجیئے۔ جو بچے اپنے خرچ سے وہ اللہ کی راہ میں دینا چاہیئے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

وآت ذا القربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل ولاتبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین وکان الشیطن لربه کفورا واما تعرضن عنهم ابتغاء رحمة من ربک ترجوها فقل لهم قولا میسورا ٥ ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انه کان بعباده خبیرا بصیرا ٥

ترجمہ۔ اور دے قربت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بیجا۔ بیشک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اور کبھی کترائے تو سائلین کی طرف سے

انجیل | قرآن کریم

انتظار میں اپنے رب کی مہربانی کے، جسکی تجھ کو توقع ہے۔ تو کہدے ان کو نرمی کی بات۔ اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ۔ اور نہ کھولدے اس کو بالکل۔ کھولدینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔ تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔"

یہ ہیں قرانی حکیمانہ احکام۔ ان کے مقابلہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کردہ احکام کیمتعلق خود عیسائی پادری حیرت زدہ ہو کر یوں کہتے ہیں کہ یہ احکام ایک مبالغہ آمیز طرز بیان ہے۔ جن کے الفاظ کے لفظی معنے نہیں لینے چاہئیں۔ کیونکہ ان پہ کوئی انسان عمل نہیں کر سکتا۔ میں اس اختلاف پہ بحث نہیں کرتا صرف ان کے مضامین کے مقابلہ میں قرآن کریم سے آیات درج کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں باپ کے لفظ کو خداوند کریم کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے وہ غلطی پیدا ہوتی ہے جس میں عیسائی صاحبان اس وقت مبتلا ہیں۔ یعنی ایک باپ ہے۔ اور ایک بیٹا ہے۔ بلکہ ان تمام امور کو سورۂ اخلاص میں جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ رد کیا ہے

انجیل

متی کے باب ٦ فقرات ۹ لغایت ۱۳ میں یہ دعا درج ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو سکھائی

"اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔"

لوقا میں دعا کا اس طرح ذکر ہے۔

"اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے تیری مرضی آسمان پر جیسی پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"۔

لوقا میں یہ لفظ نہیں آئے کہ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں

قرآن کریم

وہ تو اپنی تعریف میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

هو الله الذی لا اله الا هو علم الغیب والشهادة هو الرحمٰن الرحیم ۝ هو الله الذی لا اله الا هو الملک القدوس السلٰم المؤمن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان الله عما یشرکون ۝ هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنیٰ یسبح له ما فی السمٰوٰت والارض وهو العزیز الحکیم ۝

ترجمہ۔ وہی اللہ ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں (حقیقی) بادشاہ پاک ذات (ہر عیب سے بری) امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا یہ لوگ جسکو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس سے پاک ہے وہی اللہ تمام چیزوں کا خالق، موجد، صورتوں کا بنانے والا۔ اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ جو چیزیں سارے آسمان و زمین میں ہیں۔ سب اسی کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ (ہم مسلمانوں کو اپنی نماز میں یہ دعا سکھائی گئی ہے)

بسم الله الرحمٰن الرحیم ۝ الحمد لله رب العلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ ملک یوم الدین ۝ ایاک نعبد

انجیل

دے۔
لوقا میں یوں ہے
"ہماری روزنہ کی
روٹی ہر روز ہمیں دیا
کر") اور جس طرح ہم
نے اپنے قرضداروں کو
معاف کیا ہے۔ تو بھی
ہمارے قرض معاف کر
(لوقا میں ہے۔
"اور ہمارے گناہ
معاف کر۔ کیونکہ ہم
بھی اپنے ہر قرضدار کو
معاف کرتے ہیں۔)
اور ہمیں آزمائش میں
نہ لا۔ بلکہ برائی سے بچا۔
لوقا میں اتنا ہی
ہے۔ "اور ہمیں آزمائش
میں نہ لا۔"

قرآن کریم

وایاک نستعین ۵ اھدنا الصراط المستقیم ۵ صراط
الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۵

ترجمہ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان رحم والا ہے۔ سب تعریف خدا ہی کے واسطے (سزاوار) ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا مہربان رحم والا ہے۔ روز جزاء کا حاکم ہے۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ تو ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ ان کی راہ پر جنہیں تو نے اپنی نعمت عطا کی ہے۔ نہ ان کی راہ پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ گمراہوں کی۔

آپ نے دیکھ لیا ہوگا۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو باپ پکارنے کی بجائے رب العالمین کہتے ہیں۔ اور اسکی تعریف بھی اسی طرح کرتے ہیں کہ۔

یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی الارض الملک
القدوس العزیز الحکیم ۵

ترجمہ۔ جو چیز آسمانوں میں ہے۔ اور جو چیز زمین میں ہے (سب) خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ جو (حقیقی) بادشاہ پاک ذات حکمت والا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ۔

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا
نوم لہ ما فی السموٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع

انجیل	قرآن کریم
	عندہٗ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم ہ **ترجمہ** ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) زندہ ہے (اور) سارے جہان کا سنبھالنے والا ہے اس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ ۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (غرض سب کچھ) اسی کا ہے ۔ کون ایسا ہے جو بدوں اسکی اجازت کے اس کے پاس کسی کی سفارش کرے ۔ جو کچھ کہ ان کے سامنے موجود ہے ۔ جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے ۔ وہ سب کو جانتا ہے ۔ اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز پہ بھی احاطہ نہیں کر سکتے ۔ مگر وہ (جیسے) چاہے جتنا سکھا دے ۔ اسکی کرسی سب آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے ۔ اور ان دونوں (آسمان و زمین) کی نگہداشت اس پہ کچھ بھی گراں نہیں ۔ اور وہ بڑا عالیشان بزرگ مرتبہ والا ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے کہ ۔ "تیرا پاک نام مانا جائے" ۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ قرآنِ کریم نے اس بارے میں کس قدر اسکی قدوسیت پہ زور دیا ہے ۔ اس سے پہلے تو کہیں دو خداؤں ،

انجیل	قرآن کریم
	کہیں دو تین خداؤں، اور کہیں ہزاروں دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ جن کو خدائی کے حصہ دار سمجھا جاتا تھا۔ پ ۱۵/۹ میں آیا ہے۔
	وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا
	ترجمہ۔ کہہ دو کہ دینِ حق آگیا اور (دین) باطل نیست و نابود ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ باطل مٹنے والا ہی تھا۔
	آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے۔ "تیری مرضی جیسے آسمان پہ پوری ہوتی ہے۔ ویسے ہی زمین پہ بھی پوری ہو"۔
	قرآن کریم کے مطابق ۷/۱۴ میں ہے۔
	ان الحكم الا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين ٥
	ترجمہ۔ "حکومت تو صرف خدا ہی کے لئے ہے۔ وہ تو (حق) بیان کرتا ہے۔ اور وہ تو تمام فیصلہ کرنیوالوں سے بہتر ہے۔"
	اسلام نے دنیا میں آکر یہ فیصلہ کر دیا کہ سچی حکومت دنیا میں خدا ہی کی ہے۔ اور اس کے احکام کی پیروی ہونی چاہیئے۔ اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اس کا عملی ثبوت دے دیا۔ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ حضور صلعم کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اسلئے یہ دعا کی کہ تیری مرضی جیسے آسمان پہ پوری ہوتی ہے۔ زمین پہ

انجیل

قرآن کریم

بھی پوری ہو۔ اسی خلافتِ الٰہیہ کے متعلق ہو۔
آگے ان کی دعا میں ہے۔ کہ۔ "آج کی روٹی ہمیں دو،
اس کے بالمقابل ہم پانچ وقتی دعاؤں میں پانچ وقت یہی
کہتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ہ

ترجمہ۔ ہم کو سیدھے رستہ کی ہدایت کر یعنی وہ راستہ جس میں افراط و تفریط نہ ہو۔ اور نہ کوئی کمی ہو۔ وہ راستہ ان لوگوں کا رستہ جنہیں تونے اپنی خاص نعمت سے نوازا ہے۔ اور کہ ان لوگوں کی تشریح بھی خود ہی فرمادی ہے۔ پ۵ میں ہے۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقاہ

ترجمہ۔ اور جس شخص نے خدا اور رسول کی اطاعت کی تو ایسے لوگ ان (مقبول) بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں خدا نے اپنی نعمتیں دی ہیں۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم ہ میں ساتھ ہی استقامت کی بھی درخواست ہے۔ چونکہ اسلام کے مطابق دنیا اور

انجیل	قرآن کریم
	دین دونوں کی بہتری مطلوب ہے۔ جیسا کہ پ ۹/۲ میں آیا ہے۔

فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و ماله فی الاٰخرۃ من خلاق ومنھم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

ترجمہ۔ پھر بعض ایسے ہیں۔ جو کہتے ہیں اے میرے پروردگار ہمکو (جو دینا ہے) دُنیا ہی میں دیدے۔ حالانکہ (پھر) آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ اور بعض بندے ایسے ہیں۔ جو دعا کرتے ہیں کہ اے میرے پالنے والے مجھے دنیا میں نعمت دے۔ اور آخرت میں ثواب دے اور دوزخ کی آگ سے بچا۔

نوٹ۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر پر مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ دراصل ایک طرح سے تو یہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ فاتحۃ الکتاب ہے۔ اور اس میں ہم ہدایت کی درخواست کرتے ہیں۔

دوسری سورۃ البقر اس طرح شروع ہوتی ہے۔

الٓمٓ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدًی للمتقین ۵

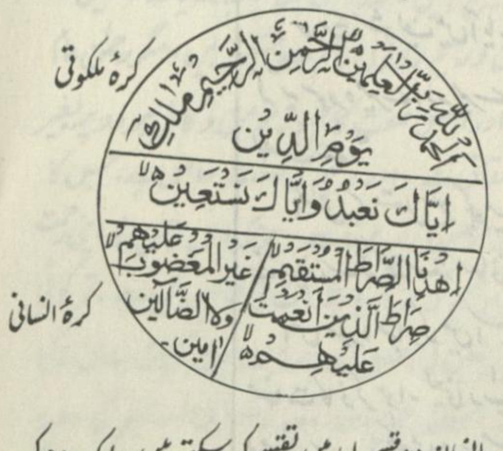
ترجمہ۔ الم (یہ) وہ کتاب (ہے) جس کے (کتاب خدا ہونے) میں کچھ بھی شبہ نہیں۔ (یہ) پرہیزگاروں کی رہنمائی ہے۔ اس سے آگے پرہیزگاروں کی تعریف ہے

انجیل

قرآن کریم

کیونکہ یہ ان کے لئے ہدایت نہیں ہوسکتی جن کے دلوں اور کانوں پر ہٹ دھرمی کی مہر لگ چکی ہے۔ یعنی نہ وہ حق بات کو قبول کرتے ہیں۔ اور نہ راہِ حق کو دیکھتے ہیں۔ اور اس سے نہ ان کی ہدایت ہوسکتی ہے۔ جو منافق ہیں۔ یعنی منہ سے اللہ پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور دل سے انکاری ہوتے ہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے۔



انسان دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی جن کے سچے مومن ہونے کی شہادت دی۔ اور وہ نبی، صدیق شہداء اور صالحین ہیں۔ باقی عام مسلمان ہیں۔

دوسری قسم ان کی ہے جو دیدہ دانستہ صراطِ مستقیم

انجیل	قرآن کریم
	کو چھوڑ جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ غضب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ یا وہ جو کہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں وہ ضالین ہیں۔

متذکرہ بالا نقشے سے ظاہر ہے کہ جو شخص جتنا کہ ایاکَ نعبد وایاکَ نستعین ! پر عمل کرے گا۔ اتنا ہی وہ کرۂ ملکوتی میں قدم رکھنے کے قابل ہو گا۔ جتنا وہ اس سے دُور ہو گا۔ اتنا ہی وہ گمراہوں اور مغضوبین میں ہوگا خدا ہم سب کو سیدھے راستے پہ چلنے کی توفیق دے آمین

حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "یہ سورہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نصفا نصف ہے۔"

اس کے متعلق جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے اسکو میں نے اپنے رسالہ گلدستۂ معانی" میں اس طرح بیان کیا ہے

اس سورہ مبارکہ میں اسمِ ذاتِ اللہ کے ساتھ چار صفات کا ذکر ہوا۔ یعنی ربّ[1]، رحمٰن[2]، رحیم[3] اور مالکِ[4] یوم الدین۔ دیکھئے ان سے مستفیض ہونے کے لئے اسی ترتیب سے کن الفاظ میں دعا کی ہدایت ہوئی ہے۔

اللہ	رب العلمین	رحمٰن	رحیم	ملک یوم الدین
ایاکَ نعبد	ایاکَ نستعین	اھدنا الصراط المستقیم	صراط الذین انعمت علیھم	غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

قرآن کریم	انجیل
الحمد تو شکر اور ثنا دونوں کے لئے آتا ہے۔ جب ہمارا اللہ پر ایمان ہو۔ اور یقین ہو۔ کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ تو کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔ اسلئے ایاک نعبد کہنا ہی مناسب ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین ہے۔ یعنی پرورش کرنے والا ابتدا سے انتہا تک وہی ہے۔ تو اس کے سوا کسی کے آگے دست سوال دراز کرنا صحیح نہیں۔ لہٰذا یہی کہنا چاہئے۔ ایاک نستعین۔ رحمٰن ورحیم دونوں رحم سے مشتق ہیں۔ مگر رحمٰن عام ہے اور اس صفت کا ظہور مومن و کافر ہر دو پر بغیر استحقاق ہے۔ اور رحیم کی صفت خاص ہے۔ جس کا ظہور مومنوں پر ہوتا ہے۔ چونکہ اس رحمٰن نے اپنی رحمت سے ہر قسم کی ضروریاتِ انسانی کو مہیا کیا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس نے ہماری ہدایت کیلئے سامان نہ کیا ہو۔ اسلئے رحمٰن سے اھدنا الصراط المستقیم کی دعا طلب کی۔ اور چونکہ وہ رحیم بھی ہے۔ اسلئے مزید التجا ہوئی۔ کہ ہدایت کا وہ راستہ دکھادے۔ جو اس نے اپنے خاص بندوں کو عطا کیا ہے۔ جو صراط الذین انعمت علیہم کا منشاء ہے۔ چونکہ وہ مالک یوم الدین بھی ہے یعنی جسکو ہمارے نیک و بد اعمال کی سزا دینی ہے۔	

قرآن کریم	انجیل
تو اس سے یہ درخواست ہوئی کہ وہ مغضوبین اور ضالین کے رستہ سے ہمیں محفوظ رکھے۔ اسلئے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہا گیا۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ انعمت علیہم کے مقابل مغضوب ہے۔ اور ہدایت یعنی اھدنا الصراط المستقیم کے مقابلہ میں ضالین ہے۔	
حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دعا کے آخر میں یہ ہے۔ "کہ جیسا ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا تو بھی ہمارے قرض معاف کر۔"	
قرضے کے معاف کرنے کے متعلق قرآن کریم کے حکیمانہ حکم کو سنئے۔	
یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین ۝ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۝ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ۝ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝	
ترجمہ - اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر تم سچے مومن ہو تو چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو	

قرآن کریم

خدا اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار رہو۔ اور اگر تم نے توبہ کی تو تمہارے لئے تمہارا اصل مال ہے۔ نہ تم کسی کا زبردستی نقصان کرو۔ اور نہ تم پر زبردستی کی جائے گی۔ اگر کوئی تنگدست تمہارا قرضدار ہو تو اسے خوشحالی تک کی مہلت دو۔ اور اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اصل بھی بخش دو۔

انجیل

آگے انجیل متی کے باب ۵ فقرات ۴۳ و ۴۴ میں ہے۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمنوں سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ اور اپنے ستانیوالوں کے لئے دعا کرو۔ تاکہ تم اپنے

قرآن کریم

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں دشمنوں کو دوست بنانے کا ایک طریقہ اس طرح بتایا ہے۔

پ۲۴ ومن احسن قولاً ممّن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین ۔ ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ۔ وما یلقّھا الا الذین صبروا وما یلقّھا الا ذو حظ عظیم ۔

ترجمہ۔ اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے۔ جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ اور اچھے اچھے کام کرے اور کہے کہ میں بھی یقیناً (خدا کے) بندوں میں ہوں اور بھلائی برائی (کبھی) برابر نہیں ہو سکتی۔ تو (برائی کا) ایسے طریقے سے جواب دے۔ جو نہایت اچھا ہو۔

انجیل

باپ کے جو آسمان
میں ہے۔ بیٹے ٹھہرو۔

قرآن کریم

(ایسا کرو گے) تو (تم دیکھو گے کہ) جسکی تم سے دشمنی ہو گی وہ تمہارا دلی دوست بنجائے گا۔ یہ بات انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں۔ اور انہی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

دشمنوں کے حق میں دعا کرنے کے لئے تو حضور کی ساری زندگی ہی وقف تھی۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔ قرآن کریم تو کسی کو دشمن بنانے کی بجائے حسب ذیل تعلیم دیتا ہے۔ تاکہ جھگڑے اور فساد تک نوبت ہی نہ پہنچے۔

پ ۲۰ میں ہے۔ اولٓئِك یؤتون اجرھم مرّتین بما صبروا ویدرءُون بالحسنة السیئة ومما رزقنھم ینفقون واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین ۵

ترجمہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں (ان کے اعمالِ خیر کی) دوہری جزا دی جائے گی۔ چونکہ ان لوگوں نے صبر کیا۔ اور وہ بدی کا دفیعہ نیکی سے کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے۔ اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کسی سے کوئی بری بات سنی۔ تو اس سے کنارہ کش رہے۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہمارے واسطے ہماری کارگذاریاں ہیں۔

قرآن کریم

اور ہمارے واسطے ہماری کارستانیاں (بس دور ہی سے) تمہیں سلام ہے۔ ہمیں جاہلوں سے دلچسپی نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلٰما ہ

ترجمہ۔ اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں۔ جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان سے جہالت کی بات کرتے ہیں تو وہ اُس کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں خیرات کے بارے میں اس طرح سے ہے۔

پ ۳/۵ ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقرآء فھو خیر لکم ہ

ترجمہ۔ اگر خیرات کو ظاہر میں دو تو یہ دینا بھی اچھا ہے۔ اگر اس کو چھپاؤ اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

ویکفر عنکم سیاتکم واللہ بما تعلمون خبیرہ

ترجمہ۔ اور ایسے دینے کو خدا تمہارے گناہوں

انجیل

متی باب ۶ فقرات ۱ سے ۴ میں اس طرح ہے۔

خبردار اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کیلئے نہ کریں نہیں تو تمہارے باپ کے پاس

انجیل

جو آسمان میں ہے
تمہارے لئے کچھ
اجر نہیں ہے۔
پس جب تو
خیرات کرے تو اپنے
آگے نرسنگا نہ بجوا،
جیسا ریاکار عبادت
خانوں اور کوچوں
میں کرتے ہیں تاکہ
لوگ ان کی بڑائی
کریں۔ میں تم سے
سچ کہتا ہوں کہ وہ
اپنا اجر پاچکے۔ بلکہ
جب تو خیرات کرے
تو تیرا دہنا ہاتھ کرتا
ہے۔ اسے تیرا بایاں
ہاتھ نہ جانے تاکہ تیری
خیرات پوشیدہ رہے
اس صورت میں تیرا
باپ جو پوشیدگی میں

قرآن کریم

کا کفارہ کر دے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا اس سے خبردار ہے۔

جو مثالیں اور عمدہ مضامین پ ۳/۴ پ ۳/۵ اور پ ۳/۶ میں دی گئی ہیں۔ جو پڑھنے اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے بے بہا ہیں۔ مگر طوالت کے خیال سے درج نہیں کی جاتیں۔ شائقین خود پڑھ لیں۔

اب ریا کے متعلق ایک دو حکم لکھ کر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔ سورہ الماعون میں فرمایا ہے۔

أرءيت الذى يكذب بالدين فذلك الذى يدع اليتيم ولا يحض على طعام المسكين فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون الذين يراءون و يمنعون الماعون ٥

ترجمہ۔ کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ تو وہی کمبخت ہے۔ جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور محتاج کو کھلانے پر (لوگوں کو) آمادہ نہیں کرتا۔ تو ان نمازیوں کی تباہی ہے۔ جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور روز مرہ کی ضروری چیز بھی عاریتاً نہیں دیتے۔

پ ۳/۴ میں ہے۔

يايها الذين امنوا لا تبطلوا صدقتكم بالمن والاذى

قرآن کریم	انجیل
کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر۔ ترجمہ۔ اے ایماندارو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اکارت نہ کرو۔ جیسے کوئی اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا اور نہ اللہ اور نہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔	دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔

گیتا کی تعلیم

اس میں بھی اچھے اچھے خیالات کا اظہار ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ اس کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف ہندوستان والوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں انہیں چار ذاتوں کا ذکر ہے۔ جو منو سے لیکر آج تک رائج ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اقوام عالم کے لئے ھدایت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ امر انسانی مساوات کے منافی ہے۔ قرآنِ کریم میں آیا ہے۔

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکرٍ وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیرہ

ترجمہ۔ لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک مرد سے پیدا کیا ہے۔ اور ہم نے تمہارے قبیلے اور برادریاں نبائیں۔ تاکہ ایک دوسرے

کو شناخت کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہے۔ بیشک خدا بڑا واقفکار اور خبردار ہے

نوٹ ۔ خدا کے نزدیک تمام ذاتیں جو انسانوں نے بنا رکھی ہیں۔ سب برابر ہیں۔ اسکی نظروں میں ایک پرہیز گار اچھوت یعنی مومن۔ ایک فاسق و فاجر برہمن سے اعلیٰ و برتر ہے۔

دوسرے اس میں کئی دیوتاؤں کا ذکر ہے۔ جن کو تسلیم کرنا ایک موحد کے لئے محال ہے۔ مزید براں یہ کہ دیگر مذاہب نے مانا ہے کہ اللہ تعالیٰ حسب ضرورت لوگوں کو اپنا پیغام اپنے پیغمبروں کی معرفت پہنچاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔ لکل قوم ھاد۔ کہ ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن گیتا میں کرشن جی کہتے ہیں۔ کہ "جب دنیا میں بد معاشی اور شرارت زیادہ ہو جاتی ہے۔ تو میں خود آتا ہوں۔" جس سے عقیدہ حلول ثابت ہوتا ہے۔ جس کا تسلیم کرنا ایک موحد کے لئے مشکل ہے۔

ایسا ہی عقیدہ تناسخ کا ہے۔ جب ارجن جنگ کیلئے تیار ہوتے ہیں تو وہ کرشن جی مہاراج سے کہتے ہیں۔ کہ میں تو اہنسا کی پیروی کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے رشتہ داروں کو کیوں ماروں۔ تو کرشن جی مہاراج اسے لڑائی پر ابھارتے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ بیان نہیں کرتے۔ کہ کیوں لڑنا چاہیئے۔ آخر یہ لڑائی تو ایک سلطنت کی خاطر تھی۔ بعد ازاں فرماتے ہیں کہ نہ قاتل مرتا ہے نہ مقتول۔ بلکہ جسم مرتا ہے۔ اور روح تو زندہ رہتی ہے۔ اس لئے اسکی فکر نہ کرنی چاہیئے۔

لیکن قرآن کریم میں جیسا کہ دیباچہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاد کا جب

اولاً حکم نازل ہوتا ہے۔ تو جنگ کی حکمت یوں بیان فرمائی جاتی ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر ۵ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز ۵ الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور ۵ پ ۱۷ ع ۱۳۔

ترجمہ ۔ جن (مسلمانوں) سے جنگ کی گئی۔ چونکہ وہ بہت ستائے گئے۔ اس وجہ سے ان کو جنگ کی اجازت دیدی گئی۔ اور خدا تو ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر و (توانا) ہے۔ یہ وہ (مظلوم) ہیں جو (بیچارے) صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ اور اگر خدا ایک دوسرے کو لوگوں سے دور دفع نہ کرتا رہتا۔ تو گرجے اور یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے۔ اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ کب کے ڈھا دیئے گئے ہوتے۔ اور جو شخص اللہ کی مدد کرے گا۔ اللہ بھی البتہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ بیشک اللہ زبردست غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں روئے زمین پر قابو دیدیں تو (بھی) یہ لوگ پابندی سے نماز ادا کریں گے۔ اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور اچھے اچھے کاموں کا حکم دیں گے۔ اور بری باتوں سے (لوگوں) کو روکیں گے۔ اور (یوں تو) سب کاموں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ جنگ حفاظتِ خود اختیاری کی صورت میں کی جا سکتی ہے۔ اور دوسرا جبکہ ظالم لوگ دوسروں کو اللہ کا نام لینے اور

عبادت سے روکیں - (یعنی بےجب مداخلت فی الدین کریں) یا خدا کی زمین میں دین کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالیں - اور حق کو نہ مانیں - تیسرا ایسی جنگ ان لوگوں کے لئے زیبا ہوتی ہے - جو خود بھی ایماندار اور صالح ہوں اور جب ان کو غلبہ حاصل ہو - تو ان کی غرض یہ ہو کہ لوگوں کو نیکی کے رستہ پہ چلائیں - اور برائی سے روکیں -

ایک بہت اچھا امر جس پہ گیتا میں زور دیا گیا ہے - کہ انسان اپنا فرض ادا کرے، اور نتائج سے بے پرواہ ہو - یعنی اس کے کاموں میں دنیاوی آلائشوں کا نام نہ ہو - اس مدعا کو قرآن کریم میں کس بلند آہنگی سے بیان کیا گیا ہے -

الغرض فرض کے ادا کرنے میں اعزا و اقرباء کی پرواہ نہیں رکھنی چاہیئے - جیسے کہ ارشاد ہے - (سورہ المجادلہ)

لاتجدُ قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادّون من حادّ اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم ؕ

ترجمہ - جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں - تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ پاؤگے - اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندانی آدمی ہی (کیوں) نہ ہوں" -

دوسری جگہ فرمایا -

یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا اٰباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولٓئک ھم الظلمون ؕ قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ

وجهادٍ فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی
القوم الفاسقین (۹/۱)

ترجمہ - اے ایماندارو! اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بہن بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیتے ہوں۔ تو تم ان کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھو اور تم میں سے جو لوگ ان سے الفت رکھیں۔ وہ ظالم ہیں۔ (اے رسول) تم کہہ دو کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کما کے رکھ چھوڑے ہیں۔ اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں خوف ہے۔ اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں۔ تو تم ذرا ٹھہرو۔ یہاں تک کہ خدا اپنا امر (عذاب) تم پر بھیجے۔ اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

ادائیگی فرض کے بارے میں قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

۸/۷ - قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین ٥
لاشریک لہ وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین ٥

ترجمہ - (اے رسول!) تم کہدو کہ میری نماز میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب خدا ہی کے لئے ہے۔ جو سارے جہان کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہوں۔

نوٹ - گویا کسی مسلم کا کوئی کام نفسیاتی خواہش کے تحت نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی جو کام صرف خوشنودیٔ خدا تعالیٰ کے لئے ہو۔ اس میں کسی دنیاوی غرض کا شائبہ تک بھی نہ ہونا چاہیئے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

$\frac{15}{16}$ واتل مااوحی الیک من کتاب ربک لامبدل لکلمتہ ولن
تجد من دونہ ملتحدا ہ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ
والعشی یریدون وجھہ ولاتعد عینک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا
ولاتطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا ہ
وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء
فلیکفر۔

ترجمہ۔ (اے رسول)، جو کتاب تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئی۔ اس کو پڑھا کرو۔ اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اور آپ اس کے سوا کہیں ہرگز پناہ کی جگہ (بھی) نہ پائیں گے۔ اور (اے رسول)، جو لوگ اپنے پروردگار کو صبح سویرے اور شام کو یاد کرتے ہیں۔ اور اسی کی خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ ان کے ساتھ تم خود بھی اپنے نفس پر صبر کرو۔ اور ان کی طرف سے اپنی نظر (توجہ) نہ پھیرو کہ تم دنیا میں زندگی کی آرائش چاہنے لگو۔ اور جس کے دل کو ہم نے (گویا خود) اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔ اور وہ اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے پڑا ہے۔ اور اس کا کام سراسر زیادتی ہے اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا۔ اور (اے رسول)، تم کہہ دو کہ سچی بات (کلمۂ توحید) تمہارے پروردگار کی طرف سے (نازل ہو چکی) ہے۔ پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔

ان آیات مبارکہ سے ظاہر ہے کہ خداوند کریم کے پسندیدہ وہی لوگ ہیں جو خالصتہً لوجہ اللہ کام کرتے ہیں۔ اور جو لوگ دنیاوی زندگی کی خاطر اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ غفلت میں پڑے ہیں۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے۔

۱۹/۲ - ارأیت من اتخذ الٰهه هواه افانت تکون علیه وکیلا ہ

ترجمہ - کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا۔ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ کیا تم اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہو کہ وہ گمراہ نہ ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے۔ یاداؤد انا جعلنٰك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوٰی ہ فیضلك عن سبیل الله ہ

ترجمہ - اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کرو۔ اور خواہش کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ یہ پیروی تجھے خدا کی راہ سے ہٹا دے دیگی۔

نوٹ - کاش کہ حکامِ وقت اب بھی اس کی پیروی کرتے نظر آئیں۔

گیتا میں تین قسم کے لوگ بیان کئے گئے ہیں۔

۱ - نیک

۲ - ان سے کم نیک

۳ - بد

قرآنِ کریم میں ان تینوں قسموں کو اس طرح بتایا گیا ہے۔

ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابقٌ بالخیرات باذن الله ذلك هو الفضل الکبیر ہ

ترجمہ - پھر ہم نے وارث بنائے۔ نئی کتاب (قرآنِ کریم) کے

وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے۔ ان میں سے کچھ تو نافرمانی کر کے اپنی جان پر ستم ڈھاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نیکی اور بدی کے درمیان ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگ خدا کے حکم سے نیکیوں میں اوروں سے گو نہ سبقت لے گئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ دوسری جگہ دارِ آخرت میں ان کو اصحاب المیمنۃ، اصحاب المشئمہ اور مقربین کے نام سے یاد کیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ میں ہے۔

گیتا کے آخر میں ایمان پر زور دیا گیا ہے۔ مگر تفصیل سے بیان نہ کیا گیا یہ فضیلت قرآن کریم ہی کو حاصل ہے۔ کہ اس نے ایمان کو اصل قرار دیکر تمام شرائط کے ساتھ بوضاحت بیان کیا ہے۔ جس میں ایمان باللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں اور یوم آخرت پر یقین کرنا لازمی ہے۔ سچے ایمان داروں کی یہ صفت بیان کی۔

۲۶/۱۴ - انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللّٰہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولٰئک ھم الصادقون ہ

ترجمہ - سچے مومن تو بس وہی ہیں۔ جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ پھر اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ کریں۔ اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ یہی لوگ (دعوئ ایمان میں) سچے ہیں۔

نوٹ - اس آیت سے ہر شخص اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ وہ مومن کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں۔ جب ضرورت پڑے تو اللہ کے راستے میں جب تک جان پر نہ کھیل جائے۔ مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر یہی جذبہ آج پیدا ہو جائے۔ تو خلافتِ الٰہیہ قائم ہو سکتی ہے۔

وید

یہاں ہنود کے اس دعویٰ کی کہ - وید الہامی کتاب ہے - اصلیت بیان کی جاتی ہے - کہ عوام پر اس کے سچے یا جھوٹے ہونے کی حقیقت روشن ہو جائے - اسی غرض سے اس کا بیان اس کتاب میں رکھ دیا گیا ہے - ورنہ آسمانی کتب کے باہمی مقابلے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی -

اہلِ ہنود کی پرانی کتابیں چار وید ہیں - جن کے مشہور نام یہ ہیں -

۱ - رگ وید

۲ - یجر وید

۳ - اتھر وید

۴ - سام وید

یہ چاروں وید بھجنوں کا مجموعہ ہیں - اور یہ بھجن ایک خاص دیوتا کی تعریف میں ہیں - جو مختلف رشیوں نے مختلف دیوتاؤں کی تعریف میں کہے ہیں - ویدک زمانہ کے دیوتا حسب ذیل ہیں -

۱ - اندرا (گرج)

۲ - اگنی (آگ)

۳ - سورج ، وایا (ہوا) جل اندر (پانی) مہادیو - بشن -

۴ - برہما ، (آسمان) طوفان وغیرہ -

بنارس یونیورسٹی کے پروفیسر بینرجی اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے

ہیں۔ اگرچہ منتر یا بھجن بعض رشیوں نے بنائے تھے۔ مگر حال کے زمانہ کے ہندو کہتے ہیں۔ کہ یہ ان کو الہام ہوئے تھے۔ لیکن میں اس میں بحث نہیں کرتا۔ کیونکہ جب وہ منتر یا بھجن آگ یا ہوا یا سورج وغیرہ دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں۔ تو ہم لوگ اس سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

یہی پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ مہابھارت کو حال کے زمانہ کے ہندوؤں کی مذہبی کتاب سمجھنا چاہیئے۔ ابتداً اس میں کورو اور پانڈو کی لڑائی کے حالات تھے۔ جس میں پانڈوؤں نے قنوج کے بادشاہ کرشن جی (مہاراج) جو قوم کا بادشاہ تھا۔ کی امداد سے کورو کشیتر کے میدان میں فتح پائی۔ وہ پروفیسر لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک سیدھی سادھی کہانی کو ایک بڑی داستان بنا لیا گیا۔ اور اس میں بعدازاں کئی تبدیلیاں کی گئیں اور اس میں نئے نئے بابوں کا اضافہ کیا گیا۔ تین مختلف نسخے تو اب بھی موجود ہیں۔ ایک شمالی ہندوستان میں ہے۔ دوسرا جنوبی ہندوستان میں ہے۔ اور تیسرا جسکو ہندوستانی نسخہ نہیں کہہ سکتے۔ موجودہ مہابھارت کا منزلت والا حصہ گیتا ہے۔ جو کہ مہابھارت کے بعد تیار ہوئی۔ اہل ہنود کے خیال میں جو گفتگو گیتا میں دی گئی ہے۔ وہ لڑائی کے میدان میں ہوئی تھی۔ مگر پروفیسر صاحب کے خیال میں یہ فلسفے کی علیحدہ کتاب ہے۔

بُدھ مذہب

بدھ مذہب یا جین مذھب کے بانیوں نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ ان کے مرنے کے بعد انکے پیروؤں نے ان کے اقوال جمع کئے ہیں مہاتما بدھ کے بہت سے پسندیدہ اقوال موجود ہیں۔ مگر عام طور پہ یہی خیال کیا جاتا ہے۔ کہ مہاتما بدھ کو خدا اور آخرت پہ یقین نہیں تھا۔ جو نیکی کے لئے سنگ بنیاد ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے چار اصولوں پہ زیادہ زور دیا ہے۔

۱ - "انسان کے لئے تکلیف لازمی ہے۔"

چنانچہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے۔

﴿٣﴾ - یاایھاالانسان انك كادح الى ربك كدحا فملقيه ٥

ترجمہ۔ "اے آدمی! یقیناً تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں۔ پھر اس سے ملنا ہے۔"

جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مختلف قسم کی جدوجہد کرتا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصیبت اٹھاتا ہے۔ کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے۔ گویا خیر کی جانب میں یا شر کی جانب میں طرح طرح کی تکلیفیں سہہ کر آخر اپنے پروردگار سے ملنا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

$\frac{30}{15}$ - لقد خلقنا الانسان فی کبد ہ

ترجمہ ۔ تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو تکلیف میں ۔"

یعنی آدمی ابتدا سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہوتا ہے ۔ اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے ۔ کبھی قرض میں مبتلا ہے، کبھی رنج میں، کبھی فکر میں، زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ انسان اس میں تمام نخرخشوں، محنت و تکلیف سے آزاد ہو ۔

اس سے اگلی آیت میں فرمایا ۔

ایحسب ان لن یقدر علیہ احد ہ

ترجمہ ۔ کیا خیال رکھتا ہے کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا ۔"

مراد یہ ہے کہ جب انسان ایسی سختیوں، محنتوں، مشقتوں کی راہ سے گذرتا ہے ۔ تو اسکو چاہیئے تھا کہ اس میں عجز اور درماندگی پیدا ہوتی ۔ اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کو یاد کرتا ۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس پر قابو پا سکے ۔ اور اسکو سرکشی کی سزا دے سکے ۔

۲ - ۳ - دوسرا اور تیسرا یہ ضابطہ مقرر کیا کہ حرص و ہوا ہی سے ہر قسم کی تکلیف ہے ۔ ان کے دُور کرنے ہی سے راحت نصیب ہوتی ہے ۔

قرآن کریم میں اس کی جس خوبی سے تعلیم دی گئی ہے وہ حسب ذیل ہے ۔

فاما من طغیٰ و اثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ و اما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ ہ

ترجمہ ۔ سو جس نے کی ہو شرارت ۔ اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا سو دوزخ ہی ہے اس کا ٹھکانا ۔

اور جو کوئی ڈرا ہوا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے۔ اور روکا ہو اس نے جی کو خواہش سے، سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکا۔

۴ - چوتھی اصل یہ بیان کی ہے۔ کہ راحت اس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔ کہ انسان راست گفتار اور راست کردار ہو، راست ارادہ رکھتا ہو۔ صحیح طریقہ سے روزی حاصل کرتا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن کریم میں اس کے متعلق مختلف جگہوں پر نہایت وضاحت سے ارشادات آئے ہیں - اور اس کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے۔ دو تین اور آیات بھی اس کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔

پ ۲۲ - ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات و القنتین والقنتت والصدقین والصدقت والصابرین والصبرت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقات والصائمین و والصائمت والحفظین فروجھم والحفظت والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما ہ

ترجمہ - تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں۔ اور اطاعت کرنے والے اور اطاعت کرنے والیاں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں - اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور نگہبانی کرنے والے اپنی شرمگاہ کی اور نگہبانی کرنے والیاں اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں مہیا فرما رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم۔

نوٹ - ۱ - اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے۔ کہ نیکی کے مدارج

طے کرنے کیلئے عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی دیگر مذہب میں عورت کو یہ درجہ نہیں دیا گیا۔ باوجود ایسی صاف آیت کے بعض متعصب عیسائیوں نے اسلام پر یہ افترا باندھا ہے۔ کہ عورت میں روح SOUL نہیں ہے۔ دراصل اسلام ہی ایسا مذہب ہے۔ جس نے عورت کو دنیوی اور دینی لحاظ سے ایک مستقل عالی مقام عطا فرمایا ہے۔ وہ اپنے والدین، خاوند اور اولاد وغیرہ کی جائز وارث قرار دی گئی ہے۔ یہ حق اسکو کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملا۔

ایک یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اسلام نے چار شادیوں کی اجازت دیکر اور اسکو پردے میں رکھ کر بڑی حق تلفی کی ہے۔ اور کہ اسلام کی جنت معاذ اللہ عیش پرستی کا گھر ہے۔ اس پر ایک ضمیمہ لگا دیا گیا ہے۔ جس میں ان سب امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نوٹ۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں دس قسم کے لوگوں سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ الفاظ ظاہر کر رہے ہیں ترتیب فضل سے افضل کی طرف ہے۔ اوّل مسلمین پھر مومنین کا ذکر ہے۔ اسلام اور ایمان میں تفاوت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ۵

ترجمہ۔ گنوار عرب نے کہا۔ ہم ایمان لائے ہیں۔ کہدے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ لیکن کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا"

اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام عام ہے۔ اور ایمان اس سے خاص

قانتین سے یہ ظاہر ہے کہ اسلام اور اس کے احکام کی فرمانبرداری لازمی ہے۔ جس سے یہ صفت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے بعد صادقین ہے یعنی جو زبان سے کہتے ہیں۔ وہی دل سے بھی کہتے ہیں۔ اطاعت سے صدق ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ کذب یعنی جھوٹ بولنے سے نفاق اور بدکاری معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان کذب سے بچے گا۔ اور سچ پہ قائم رہنے کی کوشش کرے گا۔ تو لامحالہ نقصان کے خیال سے نفس کے خطرات اکثر پیش آئیں گے۔ اس وقت بغیر صابر ہونے کے سچ پہ قائم نہیں رہ سکے۔ صبر و سکون کے بغیر خضوع و خشوع نہیں ہو سکتا۔ اسلئے خاشعین کو صابرین کے بعد ذکر فرمایا۔ جب نرمی اور رحم دلی صبر اور خشوع سے حاصل ہوگی۔ تو قدرتاً انسان کی توجہ محتاجوں اور مسکینوں کی طرف مبذول ہوگی۔ اور ان کی امداد واعانت کرے گا۔ اسلئے متصدقین کو خاشعین کے بعد ذکر فرمایا اس کے بعد صائمین ہیں۔ اگرچہ ظاہری صورت صوم کی یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کی خواہش طعام و آب وغیرہ کو طلوع فجر سے غروب آفتاب تک چھوڑ دے۔ مگر عالی مرتبہ صائم وہ ہوتے ہیں۔ جو نفس کو ہر ایسی چیز سے روکتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اسلئے صائم ہی دراصل اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اور ہمہ تن اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ اصل میں یہ سب جہادِ بالنفس کے مدارج بیان ہوئے ہیں۔ مثل مشہور ہے۔

جو دم غافل سو دم کافر

اسلئے ذکر کثیر کرنے والوں کو ان تمام مدارج سے گذرنا پڑتا ہے۔

دوسری جگہ میں ارشاد ہے۔

۲/۶ - لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیّن واٰتی المال علٰی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلٰوۃ واٰتی الزکٰوۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی البأساء والضرآء وحین البأس لا اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون ہ

ترجمہ - نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف - بلکہ بڑی نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر، اور سب کتابوں پر، اور پیغمبروں پر، اور دیوے مال باوجود اسکی تمنا کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہی مسافروں کو اور مانگنے والوں کو۔ اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں۔ اور تکلیف میں۔ اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی لوگ ہیں پرہیز گار۔

میں نے اپنے رسالہ گلدستۂ معانی میں اس آیت پر حسب ذیل نوٹ دیا تھا۔ سبحان اللہ کیسی جامع آیت ہے۔ آیت مبارکہ میں تین مختلف قسم کی ترتیب الفاظ کی گئی ہے۔

۱ - ایمان کی شرائط۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانا۔ جو نہ صرف اس دنیا میں حقیقی بادشاہ ہے۔ بلکہ آخرت میں اس کے رُوبرُو جزا و سزا کے لئے پیش ہونا ہے۔ وہ اللہ ملائکہ کے ذریعہ اپنی کتب یعنی احکام نبیوں پر بھیجتا ہے۔ جو ان احکام کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

۲ - ایسے ہی لوگ مالی امداد کرتے ہیں ۔ حاجتمندوں ، قریبی رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں ۔ وغیرہ کی ۔ اس میں الفاظ کی ترتیب حقوق کے لحاظ سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے ۔

۳ - ایسے لوگ مصائب کے برداشت کرنے میں ثابت قدم رہتے ہیں ۔ فقر و فاقہ ، رنج و سختی میں اور بوقت کارزار ۔ ان الفاظ میں ترتیب مصائب کے برداشت کرنے کی طرف سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے ۔

پھر آیت کے اخیر میں کہا کہ یہی لوگ اصل میں پرہیزگار ہیں ۔ دراصل قرآن کریم نے راست کرداری اور راست گفتاری پر بڑا زور دیا ہے ۔ اور وہ یہ کہ بندہ اپنے خدا سے ڈرتا ہے ۔ جو شخص خدا سے خائف ہوتا ہے ۔ اسی کے مطابق اطاعتِ احکام کا جذبہ اور معصیت سے بچنے کی خواہش پیدا ہوگی ۔ اور جس نافرمان کے دل میں خوفِ خدا ہی نہیں ۔ اسکو اطاعت کی کیا فکر اور معصیت کا کیا اندیشہ ۔ اسی لئے ہر امر اور ہر نہی کے ساتھ اکثر قرآن کریم میں واتقوا اللہ کا حکم آیا ہے ۔ مثلاً فرمایا ۔

۵/۲ - وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ۵

ترجمہ - اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے ۔

مہاتما بدھ نے چند چیزوں سے بچنے کی بھی ہدایت کی ہے ۔

۱ - ایک یہ کہ کسی جاندار کو نہ مارے ۔

۲ - یہ کہ جو چیز اسکو نہ دی گئی ہو ، اسکو نہ لے ۔

۳ - جھوٹ نہ بولے ۔

۴ - شراب نہ پیئے

۵ - زنا نہ کرے ۔

۶ - رات کو نامناسب کھانا نہ کھائے ۔

۷ - ہار نہ پہنے اور کوئی خوشبو نہ لگائے ۔

۸ - زمین پر چٹائی بچھا کر سوئے ۔

پہلا حکم ایسا ہے کہ جس پر کچھ کہنے کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ اس میں گوشت خوری کا مسئلہ بھی آتا ہے ۔ اگر اس حکم کا یہ مطلب ہو کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی جان ناحق نہ لے ، یا بلا ضرورت خاص کے کسی جانور کو نہ مارے ، تو یہ حکم واجب تعمیل ہو سکتا ہے ۔ لیکن یہ کہ کسی صورت میں کسی جاندار کو نہ مارے ، خلافِ فطرت اور قانونِ قدرت کے خلاف ہے ۔ سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے ۔ اور اسی پر اس کا انحصارِ زندگی ہے ۔ اگر انسان بھی ضرورت کیلئے اسے کھالے ۔ تو کس طرح ناجائز ہے ۔ میرے خیال میں ایسے جانوروں کے نہ مارنے کے احکام جو ایک طرح سے رحمدلی پر مبنی ہوتے ہیں ۔ غالباً اس وقت دیئے گئے جب لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا ۔ کہ جو پانی ہم پیتے ہیں ۔ اس میں بھی جاندار موجود ہیں ۔ یا یہ کہ جو پودے یا سبزی ہم کھاتے ہیں ۔ ان میں بھی جان ہے اور وہ بھی رنج و راحت کو محسوس کرتے ہیں ۔

اب گوشت خوری کے متعلق کچھ سن لیجئے ۔ بھیڑ بکری کو لیجئے آپ کو معلوم ہے کہ یہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں روزانہ دنیا میں ذبح کی جاتی ہیں ۔ یا ماری جاتی ہیں ۔ مگر ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی

ان کی پیدائش اور پرورش کا سلسلہ ویسا ہی جاری ہے۔ اگر یہ بھیڑ بکریاں نہ ماری جائیں۔ تو وہ اس تعداد میں بڑھ جائیں کہ کہیں سبزی اور چارے کا نام و نشان بھی نہ رہے۔ نہ سبزی کھانے کے لئے ہو نہ گندم، چند دنوں ہی میں ان کی جان بچانے والوں کی اپنی جان خطرہ میں پڑ جائے۔ کیونکہ کھانے کو کچھ نہ ملے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ بھیڑوں میں کبھی وبا پڑتی ہے تو وہ یکدم مرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا جتنی زیادہ مریں، اتنی زیادہ وبا پھیلے۔ دوسرے یہ بھیڑ بکریاں جتنی زیادہ ہوں۔ اتنے ہی درندے جانور ان کے کھانے کے لئے پیدا ہو جائیں۔ کیونکہ ایک تو ان کو مارنے والا کوئی نہ ہو گا۔ اور دوسرے ان کو خوراک زیادہ ملے گی۔ پھر جو بد نتائج اس سے نکلیں گے وہ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔

گائے اور بھینس کی نسبت بھی یہی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد بھیڑ بکریوں سے کم ہے۔ ان کی پرستش کرنے کی کوئی وجہ نہیں خدا نے انسان کو گوشت خور بنایا ہے۔ جیسا کہ اس کے دانتوں اور معدہ سے ظاہر ہے۔ کئی سرد ملک ایسے ہیں جہاں صرف گوشت پر ہی لوگوں کا گذارہ ہے۔ کیونکہ وہاں سبزی پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے انسان کو گوشت خوری کی اجازت دی گئی ہے۔ تاکہ وہ اپنی چند روزہ زندگی کس قدر آرام و آسائش سے گذار سکے۔ اور جس غرض کے لئے اللہ نے اسکو پیدا کیا ہے۔ اس کو پورا کر سکے۔ قرآن کریم میں تو صاف فرما دیا ہے۔

پ ۱/۲ ۔ ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ہ

ترجمہ ۔ وہی اللہ تو ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کی کل

چیزوں کو پیدا کیا۔

نوٹ - بدھ مذہب کے مطابق بھی انسان مرنے کے بعد کوئی دوسری جون اختیار کرتا ہے۔ مگر چونکہ بدھ مذہب کے نزدیک روح کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلئے جون بدلنے کے متعلق ان کا اعتقاد اہل ہنود سے مختلف ہے۔ نہ ہی بدھ مذہب کے مطابق کوئی قیامت اور حشر ہوگا ان کا نروان تو یہی ہے کہ مرنے والا بالکل نیست ہو جاتا ہے۔

میں یہ بڑے دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ جب تک انسان کو خدا وند کریم پر اور عاقبت پر جہاں اس کو اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہوگا۔ یقین نہ ہو، تب تک وہ سچائی اور نیکی کا راستہ پورے طور پر اختیار نہیں کر سکتا۔

زرتشت

زرتشت کی نسبت بھی میرا یہی خیال ہے کہ وہ موحد تھے۔ مگر اب عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعلیم کے مطابق دو خدا تھے۔ ایک نیکی کا خدا جسکو یزداں کہتے ہیں۔ اور ایک بدی کا خدا جسکو کہ اہرمن کہتے ہیں۔ اگر ان کی تعلیم ایسی ہی ہو۔ تو ان کے متعلق کچھ زیادہ لکھنا فضول ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے۔

پ ۱۷/۲ - لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا فسبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون!

ترجمہ۔ اگر بفرضِ محال زمین و آسمان میں اللہ کے سوا بھی خدا ہوتے۔ تو آسمان اور زمین دونوں کب کے برباد ہوگئے ہوتے۔ جو باتیں یہ لوگ اپنے جی سے اس کے بارے میں بنایا کرتے ہیں۔ اللہ جو عرش کا مالک ہے۔ ان تمام عیبوں سے پاکیزہ ہے۔

نوٹ - یہ توحید کی نہایت مضبوط دلیل ہے۔ اگر بالفرض دو خدا ہوتے۔ تو - اگر ان میں سے ایک کسی کام کو چاہتا۔ تو دوسرا اس کو روک سکتا یا نہیں۔ ؟ - اگر روک سکتا ہے۔ تو پہلا کمزور اور عاجز ہوا۔ اور اگر نہیں روک سکتا ہے۔ تو دوسرا کمزور اور عاجز ہوا۔ تو پھر ان میں سے کوئی بھی خدا بننے کے لائق نہ رہا۔

زرتشت صاحب کے پیروِ آج کل آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جس بُت کو ہم خود بناتے ہیں، یا جس آگ کو ہم خود جلاتے ہیں اس کی پرستش کہاں تک جائز ہے۔ اگر ایک گھڑی ایندھن نہ ڈالیں۔ تو وہ بجھ جائے گی۔

پسح تو یہ ہے کہ ہر ایک مذہب ابتدا میں وحدانیت پر مبنی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قوم میں بشیر اور نذیر آتے رہے۔ مگر انسانوں نے واحدانیت پر ہمیشہ اپنا رنگ چڑھایا۔ اور وہ مذاہب کچھ کا کچھ بن گئے۔ چونکہ جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ تمام پرانے مذاہب والوں نے اپنی الہامی کتب کو ضائع کر دیا۔ اور دیدہ دانستہ اس تعلیم میں رد و بدل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت و رحمت سے اپنے محبوب پر وہ کلام اتارا جو نہ صرف ایمانداروں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ بلکہ تحریر میں بھی اس کا کوئی نقطہ یا شوشہ بدل نہیں سکا۔ قرآنِ کریم میں آیا ہے۔

پ ۱۴/۱ - انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون ٥

ترجمہ۔ تحقیق ہم نے ذکر (قرآن)، کو اتارا۔ اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔

سورۂ حم السجدہ میں فرمایا۔

پ ۲۴/۱۹ - وانہ لکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ٥

ترجمہ۔ اور یہ قرآن یقیناً ایک عالی مرتبہ کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ اور

خوبیوں والے دانا کی بارگاہ سے نازل ہوئی ہے۔ اور دوسری جگہ سورۃ القیامتہ میں فرمایا ہے۔

ان علینا جمعہٗ وقراٰنہ ۝ فاذا قراْنٰہ فاتبع قراٰنہٗ ثم ان علینا بیانہ ۝

ترجمہ - تحقیق ہم پر ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھانا۔ جب ہم پڑھا دیں تو اس کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان کرنا۔

قرآن کریم جس کا جواب لانے سے دنیا عاجز ہے۔ اور جس کی اس طرح سے حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ پہلے حضورؐ خود امی تھے۔ نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

پ ۲۱/۱ - وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہٗ بیمینک اذا لارتاب المبطلون بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد باٰیتنا الا الظلمون ۝ (سورہ عنکبوت)

ترجمہ - اور (اے رسول)، قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے۔ اور نہ تم اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو یہ جھوٹے ضرور تمہاری نبوت میں شک کرتے۔ مگر جن لوگوں کو (خدا کی طرف سے علم عطا ہوا ہے) ان کے دل میں یہ (قرآن) واضح روشن آیات ہیں۔ اور سرکشوں کے سوا ہماری آیتوں سے کوئی انکار نہیں کرتا۔

پھر دوسری جگہ فرمایا ہے۔

پ ۱۱/۱ - اذا تتلیٰ علیھم اٰیاتنا بینٰت قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھذا او بدلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ انی اخاف ان عصیت ربی

عذاب یومٍ عظیم ہ قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادرٰکم
فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون ہ

ترجمہ۔ اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ تو جن لوگوں کو (مرنے کے بعد) ہماری حضوری کا کھٹکا نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اسکو بدل ڈالو۔ (اے رسول) تم کہدو کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنے جی سے بدل ڈالوں۔ میں تو بس اسی کا پابند ہوں۔ جو میری طرف وحی کی گئی ہے میں اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو ابڑے کٹھن) عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں (اے رسول)، تم کہدو کہ اگر خدا چاہتا تو میں اسکو تمہارے سامنے نہ پڑھتا۔ اور وہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا۔ کیونکہ میں تو آخر تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں (اور کبھی وحی کا نام نہیں لیا۔) تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

ان آیات مبارکہ میں دو امور کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر میں گنہگار ہوں اور غلط بیانی کرتا ہوں۔ تو میں کامیاب نہیں ہوں گا۔ مخالفوں کی بے انتہا کوششوں کے باوجود جو کامیابی حضورؐ کو ہوئی۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ دوسرا حضور کی قبل از بعثت کی زندگی کی طرف جو بالکل بے عیب تھی توجہ دلائی گئی۔ خود کفار بھی آنحضرت کو امین کہتے تھے۔ حضور کا کوئی ذاتی فائدہ یا غرض قرآن کریم کے پہنچانے میں نہیں تھا۔

سورۃ النجم میں آیا ہے۔

پ ۲۷/۵ ۔ ما ینطق عن الھوٰی ہ ان ھو الا وحی یوحیٰ ہ

ترجمہ ۔ اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے ۔

دوسری جگہ سورۃ الطور میں فرمایا ۔

پ ۲۷/۴ - ام تقولون تقوّله بل لا یومنون ۵ فلیأتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین ۵

ترجمہ ۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسؐ نے قرآن خود گھڑ لیا ہے ۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے ۔ تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ۔ تو ایسا ہی کلام بنا لائیں ۔ آگے اسی سورۃ میں فرمایا ہے ۔

۲۷/۴ - ام تسئلهم اجرا فهم من مغرم مثقلون ۵

ترجمہ ۔ کیا لوگوں سے (تبلیغ رسالت) کی اُجرت مانگتے ہو ؟ کیا یہ لوگ تاوان کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں ۔

جب ایسے کلام کے جواب سے عاجز آ گئے ۔ تو حضور صلعم کو کبھی مجنون کہا ، کبھی شاعر کہا ۔ اور کبھی یہ کہا کہ وہ غیروں سے سیکھ کر باتیں اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں ۔ اس وقت قرآن کریم کے انکار کرنے والے تین شقوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہودی ، دوسرے عیسائی ، تیسرے عرب کے تمام کفار ۔ ان تینوں کے عقائد پر قرآن کریم میں رد کی گئی ہے ۔ بھلا ایسا کون غیر مسلم تھا ۔ جو حضورؐ کو اپنے ہی مذہب کے خلاف سکھاتا ۔ یہ تو سراسر بہتان تھا ۔ آخر وہ شخص کہاں گیا ۔ اور کیوں اس کا پتہ نہ چلا ۔

مجنون کہہ دینا تو آسان ہے ۔ مگر آخر کوئی اس کی بنا تو ہونی چاہیئے ۔ قرآن کریم میں آیا ہے ۔ سورۃ ن ۔

پ ۱۹/۳ - نٓ والقلم وما یسطرون ۵ ما انت بنعمة ربك بمجنون ۵ وان لك لاجرا غیر ممنون ۵

وانک لعلیٰ خلق عظیم ۵ فستبصر ویبصرون بایکم المفتون ۵ ان ربک
ھو اعلم بمن ضل عن سبیله وھو اعلم بالمھتدین ۵

ترجمہ ۔ قسم ہے قلم کی اور لکھائی کی کہ تم اپنے پروردگار کے فضل وکرم سے دیوانے نہیں ہو ۔ اور تمہارے واسطے یقیناً وہ اجر ہے کہ جو کبھی ختم نہ ہوگا ۔ اور بیشک تمہارے اخلاق اعلیٰ درجہ کے ہیں ۔ تو عنقریب ہی تم بھی دیکھو گے ۔ اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں دیوانہ کون ہے ۔ بیشک تمہارا پروردگار ان سے خوب واقف ہے ۔ جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ۔ اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے ۔

ان آیات مبارکہ کے تاریخی پہلو کو آگے بیان کیا جائے گا ۔ یہاں پر اتنا لکھنا کافی ہوگا ۔ کہ دو باتوں سے دشمنوں کی باتوں کا رد کیا گیا ۔ ایک تو وضاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں ۔ ایک مجنون کے کلام میں کس طرح ہو سکتی ہیں ۔ ایک دیوانہ کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی ۔ اور دوسرے حضورؐ کے اقوال و افعال تو قرآن کی خاموش تفسیر ہیں ۔ نیز حضورؐ کے خلق عظیم کو بیان کرنے کیلئے ایک دفتر عظیم چاہیئے ۔

اس کے بعد اسی سورۃ کے آخر میں فرمایا ۔ وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر ویقولون انه لمجنون وماھو الا ذکر للعلمین ۵

ترجمہ ۔ اور کفار (قرآن کریم سنکر) قریب تھا کہ تمہیں نظر لگا کر یا غصہ سے گھور کر (راہ راست سے) پھسلا دیتے ۔ اور کہتے کہ یہ تو دیوانہ ہے ۔ حالانکہ قرآن سارے جہان کی نصیحت ہی تو ہے ۔

پ ۲۹ سورۃ الممد ۳ میں ذکر ہے کہ دشمنان دین حضورؐ کو مجنون کہتے تھے ۔

فرمایا - وقالوا یایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون!
ترجمہ - اور لوگ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پہ قرآن اترا - تو بیشک دیوانہ ہے -
اس کے جواب میں کہا گیا -

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ہ

ترجمہ - ہم نے اتاری یہ نصیحت اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں دیکھئے یہ کیسا وعدہ ہے - اور کیسا پورا ہوا - اس کے متعلق مولانا شبیر احمد کے حاشیہ سے نقل کیا جاتا ہے -

یعنی تمہارا استہزاء اور لعنت اور قرآن لانیوالے کی طرف جنون کی نسبت کرنا قرآن و حاملِ قرآن پہ قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا - یاد رکھو اس قرآن کو اتارنے والے ہم ہیں - اور ہم ہی نے اسکی حفاظت کا ذمہ لیا ہے - جس شان و ہیئات سے وہ اترا ہے - بغیر ایک شوشہ و زیر و زبر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا - اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ و مامون رکھا جائے گا - زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ بدلیں گے - زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں - پہ قرآن کے صوری و معنوی اعجاز میں اصلاً ضعف و انحطاط محسوس نہ ہو گا - قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے و گم کر دینے میں ساعی ہوں گی - لیکن اس کے ایک نقطے کو گم نہ کر سکیں گی - حفاظتِ قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الہٰی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو کے رہا - جیسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے -

میور کہتا ہے۔ "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں۔ جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر طرح کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔

ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ۔ "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمدؐ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں۔ جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں"۔

واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی۔ کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی۔ حافظوں نے اس کے الفاظ۔ اور عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آجتک ایک زیر و زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کیں۔ کسی نے حروف کی تعداد بتلائی۔ حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ بھی شمار کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک ایک لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظِ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان کا دو تین جز کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے۔ وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پُر ہے۔ کس طرح فرفر سنا دیتا ہے۔ پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے۔ یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے۔ تو ایک بچہ اسکو ٹوک سکتا ہے۔ چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ

پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظِ قرآن کے متعلق یہی اہتمام و اعتناء عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف وانا له لحفظون ہ فرماکر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت کے ہزاروں پہلو ہیں۔ میں صرف ایک دو مثالوں پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جن کا سابقہ مضامین سے تعلق ہے۔

پ ۱۴/۱۹ ۔ سورہ نحل میں آیا ہے ۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ہ

ترجمہ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا، اور احسان کرنے کا۔ قرابت والوں کو (مالی امداد) دینے کا۔ اور منع فرماتا ہے بے حیائی کے کاموں سے اور ناشائستہ حرکتوں سے ۔ اور (ایک دوسرے) پر زیادتی کرنے سے۔ اور نصیحت کرتا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔

اس کے متعلق مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنے حاشیئے میں حسب ذیل نوٹ دیا ہے۔

قرآن کو "تبیاناً لکل شیئٍ" فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اسی ایک آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ، اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً یا نہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن کریم میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی، تو تنہا یہ آیت تبیاناً لکل شیئٍ کا ثبوت دینے کے لئے کافی ہوتی۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خطبہ جمعہ میں اس کو درج کر کے امت کیلئے اسوۂ حسنہ قائم کیا۔ اس آیت کی جامعیت ثابت

کرنے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ تاہم تھوڑا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے۔ کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا گیا ہے۔

۱۔ عدل۔ ۲۔ احسان۔ ۳۔ ایتاذی القربےٰ۔

عدل کا مطلب یہ ہے۔ کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات جذبات اعتدال و انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔ افراط و تفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو وہ بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی و بھلائی کا پیکر بنکر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقام عدل و انصاف سے ذرا بلند ہوکر فضل و عفو اور تلطف مزاجی اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع و تبرع کی طرف قدم بڑھائے۔ انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو بھلائی کرے گا۔ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔

یہ دونوں خصلتیں یعنی عدل و احسان بالفاظ دیگر انصاف و مروت تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور دوست و دشمن کے متعلق ہیں۔ لیکن اقارب کا حق کچھ زیادہ ہے۔ جو تعلقاتِ قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہیئے۔

صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے۔ جو اقارب اور ذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہیئے۔ گویا احسان کے بعد ذوی القربیٰ کا ذکر

بالتخصیص کر کے متنبہ فرما دیا۔ کہ عدل و انصاف تو سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن مروت و احسان کے بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت و اہتمام کے قابل ہیں۔ فرقِ مراتب کو فراموش کرنا گویا قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سمجھ دار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ وہ کونسی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں رہ گئی ہے۔ جو اِن تین فطرتی اصولوں سے باہر ہو۔

منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحشا، منکر اور بغی۔ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری کی ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ۱ قوت بہیمیہ شہوانیہ ۲ قوتِ وہمیہ شیطانیہ۔ ۳ قوتِ غضبیہ سَبُعیہ۔

غالباً فحشا سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت اور بہیمیت کی افراط ہو۔ منکر معروف کی ضد ہے۔ یعنی نامعقول کام جن پر فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ انکار کرے۔ گویا قوتِ وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت ملکیہ عقلیہ دب جائے۔

تیسری چیز بغی ہے۔ یعنی سرکشی کر کے حد سے نکل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمربستہ ہو کر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا۔ اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بے جا استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ الحاصل آیت میں تنبیہ فرما دی ہے۔ کہ انسان جب تک ان قوتوں کو قابو میں نہ رکھے۔ اور قوتِ ملکیہ عقلیہ کو ان سب

پر حاکم نہ بنائے۔ مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا۔

ایک اور چھوٹی سورۃ پر غور فرمائیں۔ سورۃ العصر۔

پ ۳۰/۲۸ ۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحٰت

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

ترجمہ ۔ والعصر۔ کتنا انسان ٹوٹے (خسارے) میں ہے۔ مگر

جو لوگ کہ یقین لائے۔ اور اچھے کام کئے۔ اور آپس میں تاکید کرتے رہے

سچے دین کی۔ اور آپس میں تاکید کرتے رہے صبر کی۔

مولانا شبیر احمد صاحب نے اس پر اپنے حاشیہ میں حسب ذیل

نوٹ دیا ہے۔

عصر زمانہ کو کہتے ہیں۔ یعنی قسم ہے زمانہ کی۔ جس میں انسان

کی عمر بھی داخل ہوتی ہے۔ جسے تحصیل کمال وسعادت کے لئے ایک گراں

مایہ متاع سمجھنا چاہیئے۔ یا قسم ہے نمازِ عصر کے وقت کی۔ جو کاروباری

دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے خاص فضیلت کا وقت

ہے۔ (حتیٰ کہ حضورؐ نے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔

کہ :۔

"جس کی نمازِ عصر فوت ہو گئی، گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا"

یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ کی جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت

کبریٰ کا نور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا۔

اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہو گا۔ کہ برف بیچنے والے دکاندار کی طرح اسکی

تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔

اگر اس روا داری میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا۔ جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے

لگ جائے بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بنکر ہمیشہ کے لئے کار آمد بن جائے۔ تو پھر خسارہ کی انتہا نہیں۔

زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ۔ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پہ غور کرو۔ تو معمولی سے غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا۔ اور مستقبل سے بے پرواہ ہو کر خالی لذتوں میں وقت گذار دیا۔ وہ آخر کار کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ برباد ہو کر رہ گیا۔

آدمی کو چاہیئے کہ وقت کی قدر پہچانے۔ اور عمرِ عزیز کے گراں مایہ لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو و لعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیلِ شرف و مجد اور اکتسابِ فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں۔ خصوصاً یہ وہی گرانمایہ اوقات ہیں۔ جن میں آفتابِ رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے۔ اگر غفلت و نسیان میں گذار دیئے گئے۔ تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ پس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں۔ کہ جو اس عمرِ فانی کو باقی، اور ناکارہ زندگی کو کار آمد بنانے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں۔ اور بہترین اوقات۔ اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسبِ سعادت اور تحصیلِ کمال کی کوشش کرنے میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کا ذکر آگے۔ الا الذین امنوا وعملوا الصالحات:۔ میں کیا گیا ہے۔

یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لائے۔ اور ان کی ہدایات

اور وعدوں پر خواہ وہ دنیا سے متعلق ہوں۔ یا آخرت سے پورا یقین رکھے
۲۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے۔ بلکہ جوارح میں ظاہر ہو۔ اور اسکی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو۔
۳۔ تیسرے محض اپنی انفرادی اصلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو مدنظر رکھے۔ جب مسلمان ملیں تو ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔
۴۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و ودیعت رہے۔ کہ حق کے معاملے میں اور شخصی و قومی اصلاح کے رستہ میں جسقدر سختیاں دشواریاں پیش آئیں۔ یا خلافِ طبع امور کا تحمل کرنا پڑے۔ پورے صبر و استقامت سے تحمل کرے۔ ہرگز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہونگے اور خود کامل ہوکر دوسروں کی تکمیل کریں گے۔ ان کا نام صفحات پر زندۂ جاوید ہے۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے۔ وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔

فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورۃ سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے، امام شافعی نے ایک طرح سے سچ فرمایا ہے کہ اگر قرآن شریف میں صرف یہی سورت نازل کردی جاتی تو سمجھدار بندوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی۔ بزرگانِ سلف میں سے جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورۃ سنایا کرتے تھے۔

آجکل گاندھی جی کے پیرو انکی تعلیم None violence and Truth.

یعنی سچائی اور اہنسا کی بڑی تعریف کر رہے ہیں۔ مگر آپ ذرا غور سے دیکھیں گے کہ ان کے یہ دو اصول در اصل اس سورۃ مبارکہ کے اصول کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ایمان تو :- Truth یعنی سچائی پر ہی آئے گا۔ اور :- Non violence اور صبر کا ایک پہلو ہے۔ قرآن کریم کے مطابق ہر انسان کو لازم ہے۔ کہ نہ صرف سچائی پر ایمان لائے۔ اور صبر کو اپنا وتیرہ بنائے۔ بلکہ وہ سچائی کو دوسروں تک پہنچائے۔ اور اس سچائی کے پہنچانے میں جو دشواریاں پیش آئیں ان کو پورے صبر و استقلال سے برداشت کرے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عربوں کے نزدیک صبر عجز و تذلل کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو عاجزوں اور درماندوں کا شیوہ ہے۔ بلکہ یہ قوت اور عزم کی بنیاد ہے۔ کلام عرب میں اس کا استعمال بہت ہے۔ جیسا کہ امام مولانا حمید الدین فراہی نے اپنی تفسیر سورۃ العصر میں بیان کیا ہے۔ صبر کے معنے قرآن مجید نے خود کھول دیئے ہیں۔

پ ۲/۶ - والصّابرین فی البأساء والضرّاء وحین الباس ہ

ترجمہ - اور صبر کرنے والے سختی میں تکلیف میں اور لڑائی وقت۔

اس آیت میں صبر کرنے کے تین مواقع ذکر کئے گئے ہیں۔ یعنی غربت، بیماری۔ اور جنگ۔ در حقیقت تمام مصائب و شدائد کے یہی تین سرچشمے ہیں۔

جب تک آدمی لوگوں کی پہنچائی ہوئی اذیتیں جھیلنے اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی اور درگذر کا عادی نہ ہو جائے۔ اس وقت

تک صحیح ہمت وجود میں نہیں آسکتی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ولمن صبر وغفر فان ذلک لمن عزم الامور ہ

ترجمہ۔ اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا۔ تو یہ کام ہمت کے ہیں۔

گویا کہ اصلی صبر آج کل کے اہنسا کے مترادف نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہتر خوبی ہے۔

اب فصاحت و بلاغت کی ایک اور مثال دی جاتی ہے۔ دیکھو سورۃ والتین ۳۰/۲ ۔ والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین ہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہ ثم رددناہ اسفل سافلین ہ الا الذین امنوا وعملوا الصلحات فلھم اجر غیر ممنون ہ فما یکذبک بعد بالدین الیس اللہ باحکم الحاکمین ہ

ترجمہ۔ قسم ہے انجیر و زیتون اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔ بیشک ہم نے انسانوں کو خوب تر ین انداز پر بنایا پھر ہم نے اسے پست ترین حالت کی طرف پھیر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان کے لئے لافانی ثواب ہے۔ (تو اے رسول) اس کے بعد روز جزا کے بارے میں تم کو کون جھٹلائے گا۔ کیا اللہ تعالےٰ احکم الحاکمین نہیں ہے۔"

فما یکذبک بعد بالدین! کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اے منکر بعثت ان دلائل کے بعد کیا چیز تجھ کو روزِ جزا کی تکذیب پر ابھارے گی۔

اس سورۃ میں قرآن کریم کی معجزانہ ترتیب الفاظ کی ایک عجیب سی مثال ہے۔ پہلی آیت ہے والتین والزیتون دوسری وطور سینین

تیسری وھذا البلد الامین ان مختصر آیات سے عربی ممالک کی تاریخ کا ایسا نقشہ کھینچا ہے۔ کہ اگر انسان تھوڑا سا غور کرے تو محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔

۱ - ترتیب جغرافی - حضرت کعب لکھتے ہیں کہ والتین سے مسجد دمشق مراد ہے۔ اور زیتون سے بیت المقدس - اگر ملکِ شام کی طرف سے آئیں تو پہلے فلسطین آتا ہے - جس میں بیت المقدس آتا ہے ۔ پھر سینا جس میں طور ہے۔ اور پھر جزیرہ عرب جس میں بلد امین یعنی مکہ معظمہ ہے۔

۲ - تاریخی ترتیب :- تاریخ کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب ہے ۔ ممالک عرب کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں - جن کے دو فرزند حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام زیادہ مشہور ہیں ۔ حضرت اسحاق اپنے والد ماجد کے ساتھ ملک شام میں رہے۔ جس میں دمشق شامل ہے - اور ان کی اولاد کے تمام پیغمبر اس میں رہے۔ البتہ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پڑپوتے بچپن میں اپنے بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے مصر میں فروخت ہوئے۔ اور ان کا وہیں انتقال ہوا حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ ان کی اولاد میں سے تھے۔ جب وہ اپنی قوم کو مصر سے لائے تو سینا ہی میں انتقال فرمایا۔ کیونکہ ان کی قوم کو حضرت موسیٰ کی زندگی میں یہ ہمت نہ پڑی کہ وہ ملک شام میں فاتحانہ طور پر داخل ہوں۔ پھر بیت المقدس میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا عروج ہوا - اور اس سلسلۂ پیغمبری کی آخری کڑی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے ۔ جو اپنی ماں کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں آباد ہوئے عیصؔ جو حضرت یعقوب کے دوسرے بھائی تھے

وہ بھی اپنے چچا حضرت اسمٰعیل کے ساتھ عرب میں آباد ہوئے۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد جو ان کی زوجہ قتورہ کے بطن سے تھی

ان تین مختصر سی آیات سے عربوں کو اپنی تاریخ یاد دلا کر اس امر کی تعلیم دی کہ دیکھو اس قوم میں جو لوگ ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک عمل کئے، وہی کامیاب ہوئے۔ اور یہ بتایا کہ وہ احکم الحاکمین ان مسلمانوں کو جو ایمان لائے ضرور کامیاب کرے گا۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام میں پیغمبر ہوئے۔ اس لیئے اس ملک کا ذکر فرما کر طورِ سینا کا ذکر کیا۔ جس میں ان کی شاخ کے دو بزرگ پیغمبروں نے اپنی تعلیم و رسالت کے فرائض انجام دیئے۔ اسکے بعد چونکہ آخری پیغمبر رسول صلعم تھے اس لئے ملک عرب کا آخر میں ذکر فرمایا۔

۳۔ دنیوی لحاظ سے بھی ایک ترتیب ہے۔ شام کا ملک نہایت سرسبز ہے۔ اور اس میں کئی اچھے میوے ہوتے ہیں۔ مگر تین انجیر اور زیتون اس کی خصوصیات میں سے ہیں۔ طور کی نسبت آیا ہے۔

وشجرۃ تخرج من طور سیناء تنبت بالدھن وصبغ للاکلین ؀

ترجمہ۔ زیتون کا درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن اور روغن لئے ہوئے اگتا ہے۔

مکہ معظمہ کی نسبت حضرت ابراہیم کی زبانی قرآن مجید میں آیا ہے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم ؀ ،

ترجمہ۔ اے ہمارے رب میں نے تیرے معزز گھر کے پاس اس وادی میں جہاں کھیتی نہیں ہے اپنی اولاد لا کر بسائی ہے۔"

دیکھو سب سے پہلے زیادہ سرسبز ملک کا ذکر ہے۔ پھر اس سے کم کا۔ پھر اس سے کم کا پھر اس جگہ کا جہاں کھیتی باڑی بھی نہیں ہوتی۔

۴ ۔ مگر اپنی خیر و برکت کے لحاظ سے ترتیب دگرگوں یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔

بیت المقدس مسجد اقصیٰ کے متعلق قرآن کریم میں سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ جیسا کہ اس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔

پ ۱۵/۱ ۔ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتناہ

ترجمہ ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی رات کے حصے میں اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجد اقصٰے تک۔ جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی۔ تاکہ ہم اسے دکھائیں اپنی نشانیوں سے۔"

گویا وہ برکت والا ملک ہے۔ ایک تو یہ سرسبز ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں بہت سے پیغمبر پیدا ہوئے۔

سورۃ والنازعات میں طور کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

واذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوٰیٰ ہ

ترجمہ ۔ جب پکارا اس کو اس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طوٰیٰ ہے۔ (کوہ طور کے پاس)

سورہ آل عمران میں مکہ مکرمہ کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین ہ

ترجمہ ۔ تحقیق سب سے پہلے (خدا کا) گھر جو لوگوں کے لئے بنایا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اور مبارک ہے۔ اور ہدایت ہے جہاں والوں کیلئے

پہلے مسجد اقصیٰ اور کوہ طور کی فضیلت کا ذکر کیا گیا۔ پھر مکہ معظمہ کی نسبت کہا کہ یہ مبارک ہے۔ اور اہل جہاں کی ہدایت کا باعث ہے۔ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے۔

۵ - ان مقامات کی عبادت گاہ ہونے میں ترتیب ہے۔ سب سے اوّل مقام عبادت گاہ بموجب آیت متذکرہ بالا مکّہ شریف ہے۔ یہ تو اوّل دن ہی سے عبادت کا مقام ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ و ہارون اور ان کی قوم کوہِ طور اور اس کے گردونواح میں عبادت کرتے رہے۔ ان کے بعد حضرت داؤد نے یروشلم یعنی بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی۔ اور حضرت سلیمان نے اسے مکمل کیا۔ اس کے بعد دمشق میں حضرت زکریا کی مسجد بنی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کو لوگوں نے اپنا مرجع بنایا۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ ہی کو جہان والوں کا قبلہ و کعبہ بنایا۔

کیا حضرت عیسیٰ میں بھی کوئی حصہ خدائی کا تھا؟

قرآن کریم میں آیا ہے ۔ پ۶ع۱۲ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ ۵ وما من الہ الا الہ واحد ۵

ترجمہ ۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک ۔ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود (اللہ) کے ۔

سورۃ کہف میں آیا ہے ۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولداً وما لھم بہ من علم ولا لآباۂم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا ۵

ترجمہ ۔ اور سنا دے ڈر ان کو جو کہتے ہیں ۔ اللہ رکھتا ہے اولاد ۔ کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو کہ بڑا بول نکلتا ہے ان کے منہ سے ۔ اور سب جھوٹ ہے جو وہ کہتے ہیں ۔"

اول تو موجودہ نیا عہد نامہ (انجیل) میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو "ابن اللہ" ان معنوں میں لیا ہو جو بعد میں کئے گئے ۔ یا حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے ان معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا ہو ۔ بلکہ وہ تو اس کو اور انسانوں کی طرح ایک انسان تصور کرتے تھے ۔

مرقس کے باب ۶ جملہ تین میں ہے ۔کہ ۔

"یہ وہ بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب کا اور یوسیس اور شمعون کا بھائی ہے ۔ اور کیا اسکی بہنیں یہاں ہمارے نہیں ؟"

پھر جملہ نمبر ۴ میں ہے کہ ۔

"یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا ۔"

مرقس کے باب ۳ جملہ ۳۱ تا ۳۶ میں ہے ۔

"پھر اس کے ماں اور بھائی آئے ۔ اور باہر کھڑے ہو کر اس کو بلوا بھیجا اور بھیڑ اس کے پاس بیٹھی تھی ۔ اور انہوں نے اس سے کہا کہ دیکھ تیرے ماں اور بھائی باہر تجھے پوچھتے ہیں ۔ تو اس نے انہیں یہ جواب دیا ۔ کون ہے میری ماں اور بھائی ۔ اور ان پر جو اس کے پاس بیٹھے تھے نظر کر کے کہا ۔ دیکھو میری ماں اور بھائی یہ ہیں ۔ کیونکہ جو خدا کی مرضی پر چلے وہی میری ماں اور بہن بھائی ہیں ۔"

اگر حضرت عیسیٰ اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا محسوس کرتے ایسے الفاظ نہ کہتے ۔

جس طرح پر کہ نئے عہد نامہ کی موجودہ کتابیں موجودہ انجیل میں شامل کی گئیں ہیں ۔ اس کا ذکر حضرت عیسٰے کے حالات میں آچکا ہے ۔ یوحنا کی انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہے ۔ وہ اس کا کلمہ ہے ۔ Logos جو کہ ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا ۔ اور جس نے حضرت عیسیٰ کی صورت اختیار کی ۔ سینٹ پال کے مطابق تو وہ ابتدا ہی سے آسمانوں میں خدا تھا ۔ وہ ازلی ہے اور ہر چیز سے بھاری ہے ۔ اور وہ زمین پر اپنے ارادے سے اپنی کسر شان

کر کے اترا - دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۵ صفحہ ۶۳۲ - اس لئے سینٹ پال کو عیسائیت کا بانیٔ دوم کہتے ہیں -

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیروی کی جائے یا سینٹ پال کی - دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۳ اور اسی بناء پر عیسائیوں کے مذہبی اعتقادات میں اختلافات پیدا ہوئے - اسکو واضح کرنے کے لیۓ چند ایک فرقوں کا ذکر کرنا مناسب ہے - یہ حصہ دراصل سورۂ کہف کے بیان کا ہے - مگر ضرورتاً اسکو اب یہاں درج کیا جا رہا ہے - اصحابِ کہف کے وقت کچھ عیسائی ایسے ضرور تھے جو حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے منکر تھے - اور صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے - جیسا کہ آجکل بھی ایک فرقہ ہے - جکو :- .Unitorians کہتے ہیں - یاد رہے کہ ۱۸۱۳ء سے پہلے :- .Trinity (تثلیثہ) تین خدا کا انکار انگلینڈ کے قانون کے مطابق جرم تھا -

۲۶ر فروری ۱۹۳۹ء The Lunday stateswas کے صفحہ ۲۱ پر مسٹر :- .Haroey day کا ایک مضمون شائع ہوا - جس میں لکھا ہے کہ صرف انگلستان میں آج کل عیسائیوں کے کم و بیش چار سو فرقے ہیں - جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو راہ راست پر خیال کرتا ہے -

ایک فرقہ ہے جس کا بانی Arais تھا جکو :- .Ariaenishe کہتے ہیں - یہ اسکندریہ کا باشندہ تھا - اور ۳۳۵ء میں فوت ہوا - اس کا خیال تھا کہ خدائے واحد نے حضرت عیسٰےؑ کو پیشتر اس کے کہ کوئی اور چیز پیدا ہوئی نیست سے ہست کیا - یعنی حضرت عیسٰےؑ خواہ وہ دوسروں سے کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو - ایک مخلوق انسان ہے خدا نہیں - یہ :- .Arais

پادری :۔ Lusian. کا شاگرد تھا۔ اس کو عیسائیوں نے بہت عذاب دیکر مارا تھا۔ لوشیئن کا یہ خیال تھا کہ :۔ Logos. یا کلمۃ اللہ نے حضرت عیسےٰؑ میں انسان کی شکل اختیار کی۔ دوسرے لفظوں میں اس نے روحِ انسانی کی شکل اختیار کی۔ اور اس میں الوہیت نہ رہی۔ شوشیئن کے مطابق حضرت عیسیٰ نہ تو انسانِ مکمل تھا۔ نہ مکمل خدا۔ یہ پال سوشیئن کا شاگرد تھا اس کا خیال تھا کہ حضرت مریم کے بطن سے انسان پیدا ہوا نہ کہ :۔ Logos. کلمۃ اللہ۔ حضرت عیسےٰؑ جو کہ انسان تھا۔ خدا بن گیا۔ بجائے اس کے کہ خدا انسان بنے۔ لیکن عام فرقہ پال سوشیئن کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا نے ایک فرشتہ کو کہا۔ کہ تو ایک عورت کے بطن سے جاکر پیدا ہو جا۔ اور اس کو ابن اللہ کا خطاب دیا۔ وہ نہیں مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کنواری مریمؑ سے پیدا ہوا۔ اس فرقے کے خیالات Adoptionunsh. سے ملتے جلتے تھے۔ جس کا بانی :۔ Theadotos. تھا۔ اس نے روم میں ایک فرقے کی بنیاد ڈالی۔ جو یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسےٰؑ ایک انسان تھا۔ اور کہ اس نے جب بپتسمہ لیا۔ تو روح القدس سے بھر گیا۔ وہ اتنا پاک ہوا کہ خدا نے اسے اپنا متبنّےٰ بنا لیا۔ اور اسکو خدائی کے درجے تک پہنچا دیا۔

ان کے اختلافات کی داستان بڑی لمبی ہے۔ مگر مختصراً یہ ہے کہ شہرا فیس میں جو اصحاب کہف کا وطن تھا ۱۳۴ء میں عیسائیوں کا ایک عام جلسہ ہوا۔ نیسہ Nica اور قسطنطنیہ میں جو اس سے پہلے عیسائیوں کے اجلاس ہوتے رہے ہیں۔ ان میں یہ قرار پایا تھا۔ کہ حضرت عیسےٰؑ خدا بھی ہے اور انسان بھی ہے۔ اس کے فیصلے کے لیئے ۴۳۱ء کا جلسہ بلایا گیا۔ لیکن یہ ظاہر نہ کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بیک وقت انسان اور خدا کس

طرح ہو سکتا ہے۔

قسطنطنیہ میں ایک بڑے راہب نے یہ کہا تھا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ خدا تو تھے۔ مگر وہ ایک وقت میں خدا اور انسان نہیں ہو سکتے۔ اس نے مزید کہا کہ۔ حضرت عیسیٰ کے جسم کو منور سمجھنا چاہیئے۔ جس میں خدا رہتا تھا۔ چونکہ خدا کسی رحم سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مریمؑ کو حامل مسیح کہنا ایک لغو بات ہے۔

اسکندریہ کے رہنے والے جن کا پیشوا سرل تھا۔ وہ اس بات کے پورے معتقد تھے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ میں الوہیت اور بشریت پورے طور پہ موجود تھی۔ اور اس کو عقیدۂ :- .Monophysite کہا جاتا ہے۔

پادری نستو اس کا خیال تھا کہ بادشاہ اس کی حمایت کرے گا۔ مگر ۴۳۱ء میں افیس والی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ نستواسین فرقے کا خیال غلط ہے۔ نستواسین نے کہا تھا کہ کوئی شخص حضرت مریمؑ کو خدا کی والدہ یا ماں نہ کہے۔ کیونکہ خدا ایک عورت کے بطن سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی کونسل میں پہلی دفعہ یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت مریمؑ کو بھی الوہیت کا درجہ حاصل ہے۔ اور وہ .Divine Mother کہلائی۔ یہ تنازعہ نہ ختم ہونا تھا نہ ہوا۔

۴۴۹ء میں پھر اسی جگہ ایک اجلاس بلایا گیا۔ پھر ۴۵۳ء والی مجلس جو افیس میں ہوئی اس میں :- .Cryches جو قسطنطنیہ کا پادری تھا۔ اور :- .Cyryl (ساکن الیگزنڈریہ) کا ہم خیال تھا۔ نے اتنا کہا کہ حضرت عیسیٰ میں بشریت اور الوہیت ایک کر دی ۔ ۴۳۰ء میں ایک پادری نے جو :- .Nestorians کا شاگرد تھا۔ یہ کہا تھا کہ کوئی شخص مریمؑ کو خدا کی ماں نہ کہے۔ کیونکہ مریمؑ تو ایک انسان تھی۔ یہ ناممکن ہے

کہ خدا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہو۔ (ایران، عرب، مشرقی علاقوں میں جتنے عیسائی تھے غالباً اسی عقیدے کے معتقد تھے۔

سرل جو الیگزینڈریہ کا بشپ تھا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ میں انسانیت اور الوہیت مل گئی ہے۔ اس طرح سے گویا روح اور جسم ایک ہو گئے ہیں۔ جو تقریباً Monopngritism ہے۔ یہ مانوفیسٹزم بھی دو قسم ہے۔ ایک تو وہ ہے جو :۔ Suerens. کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کا یہ خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ میں بشریت اور الوہیت الگ الگ تھی۔ مگر جب یہ دونوں مل گئیں تو اس کا نتیجہ ایک طاقت نکلی۔ جس کو (.Ellimi) سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیردئن نے حضرت عیسےٰ کی انسانی کمزوریوں پر بہت زور دیا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس کا جسم ہماری طرح پیدا کیا گیا تھا۔ اور وہ ایسے ہی خراب ہونے کے قابل تھا۔ جیسا کہ ہمارا ہے۔ اور اس کے بعض پیروؤں نے یہی دلیل حضرت عیسےٰ کی روح کے متعلق بیان کی۔ دوسرا فرقہ .Juliau کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جن کا یہ خیال ہے کہ جب الوہیت اور بشریت مل گئی۔ تو اس میں وہ خاصیتیں پیدا ہوئیں۔ جن سے اسکی انسانیت گناہ کرنے اور خراب ہونے کے قابل نہ رہی۔ بلکہ اس کے بعض پیروؤں کا یہ خیال تھا کہ جب .Slougus نے انسانی جسم اختیار کیا۔ تو انسانی جسم معدوم ہو گیا۔ اور انسانیت الوہیت ہو گئی۔ بعض ایسے بھی تھے جنکو .Adia Phorutes کہتے تھے۔ جن کا خیال یہ تھا کہ صرف حضرت عیسیٰ میں انسانیت اور الوہیت میں کوئی تمیز نہ تھی۔ بلکہ سب انسانوں کی یہی حالت ہے۔ سب انسان اور خدا ایک ہی اصل سے ہیں۔

اس کے بعد ۴۵۱ء میں جو کونسل Chalcidim. میں ہوئی۔ اس نے افیسس کی کونسل کا فیصلہ رد کر دیا۔ اور اس میں یہ قرار پایا کہ حضرت عیسیٰؑ میں انسانیت اور الوہیت ملیں تو نہ ایک نے دوسرے کو جذب کیا۔ اور نہ ایک نے دوسرے کو بدلا۔ یہ سب دقتیں اسلئے پیدا ہوئیں۔ کہ یہ فرض کر لیا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ میں کوئی حصہ خدائی کا تھا۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے عیسائی صاحبان کے عقیدۂ کفارہ وغیرہ کی بابت کچھ نہیں کہا۔ اسکے لئے شاید اتنا لکھنا ہی کافی ہوگا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کی جلد ۵ صفحہ ۶۲۳، (Chrislonity.) عیسائیت کے مضمون پر تثلیث والوہیت، کفارہ پر اطمینان نہ ظاہر کر کے صفحہ ۶۳۰ پر لکھا ہے۔ کہ۔

"عیسائیت میں بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں مگر عیسائیت کی روح زندہ رہ گئی۔ روح یہ کہ اپنے خدا کی پرستش دل وجان سے کرو۔ اور اپنے ہمسایہ کی اپنی طرح حمایت کرو۔ دوسرا یہ کہ عیسائی صاحبان خداوند کریم کو (OUR FATHER.) ہمارا باپ کہہ پکارتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ حضرت عیسےٰؑ جیسا دل پیدا کریں۔

۱ کی نسبت اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ حضرت عیسےٰؑ نے یہ تعلیم تورات سے لی تھی۔ جیسا کہ لوقا کے باب۱۰ جملے ۲۵ لغایت ۲۷ حسب ذیل ہیں۔

اور دیکھو ایک عالم شرع اٹھا۔ اور یہ کہکر اس کی آزمائش کرنے لگا۔ کہ اے استاد! میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں اس نے اس سے کہا۔ تورات میں کیا لکھا ہے۔ تو کس طرح پڑھتا ہے اس نے جواب میں کہا۔ کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اپنی

ساری جان اپنی ساری طاقت اور اپنی ساری عقل سے محبت
رکھ۔ اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ اس نے اس
سے کہا۔ تو نے ٹھیک جواب دیا۔ یہی تو کر چکا۔ مگر اس نے اپنے
تئیں راستباز ٹھہرانے کی غرض سے یسوع سے پوچھا۔ پھر
میرا پڑوسی کون ہے۔ یسوع نے جواب میں کہا۔ کہ ایک آدمی
یروشلم سے یریحو کی طرف جا رہا تھا۔ کہ ڈاکوؤں میں گھر گیا۔ اور
انہوں نے اس کے کپڑے اتار لئے۔ اور مار بھی اور ادھموا چھوڑ
کر چلے گئے۔ اتفاقاً ایک کاہن اسی راستے جا رہا تھا۔ اور اسے
دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔ لیکن ایک سامری سفر کرتے کرتے وہاں آ
نکلا۔ اور اس نے اسے دیکھ کر ترس کھایا۔ اور اسکی خبرگیری کی
اور اس کے پاس آکر اس کے زخموں کو باندھا۔ اور اپنے جانور
پر سوار کر کے سرائے میں لے گیا۔ اور سرائے کے مالک کو تھوڑی
رقم دیکر کہا۔ اور جو کچھ اس سے زیادہ خرچ ہوگا۔ پھر آکر تجھے دیدونگا
ان تینوں میں سے اس شخص کا جو ڈاکوؤں میں گھر گیا تھا کون
پڑوسی ہوا؟ اس نے کہا وہ جس نے اس پر رحم کیا۔ یسوع نے
کہا۔ جا تو بھی ایسا کر۔"

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں کفارہ کی کوئی تعلیم نہیں۔ اور نہ حضرت
عیسیٰؑ نے کبھی ایسا کہا۔ قرآن کریم نے اس کے متعلق یہ کہہ کر صاف فیصلہ کر دیا
ہے کہ :۔

لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ۱۵ کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۲ - باپ کہہ کر پکارنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہم تو اس سے بڑھ کر اسکو

رب العالمین کہتے ہیں۔ جس سے اس کی شان قائم رہتی ہے۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح تعلیم کیا تھی۔ اس سوال کے صحیح جواب پہ سارا دارومدار ہے۔ قرآن کریم میں ان کی تعلیم اس طرح آئی ہے۔

ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم ہ

ترجمہ۔ بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

خدا سے محبت رکھنے کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ ہ

ترجمہ۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو خدا کے سوا (اوروں کو بھی خدا کا) مثل اور شریک بناتے ہیں۔ (اور) جیسی محبت خدا سے رکھنی چاہیئے ویسی ہی ان سے رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایماندار ہیں وہ ان سے کہیں بڑھ کر خدا کی الفت رکھتے ہیں۔ ایمانداروں کو حضورؐ کی پیروی کا حکم اس طرح ہوتا ہے۔

۲۱/۱۹۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاٰخر وذکر اللہ کثیراہ

ترجمہ۔ مسلمانوں! تمہارے واسطے تو خود رسول اللہ کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ مگر (ہاں یہ) اس شخص کے واسطے ہے۔ جو خدا اور آخرت کی امید رکھتا ہے۔ اور خدا کی یاد بکثرت کرتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کیا نمونہ پیش کیا ہے جس کی پیروی ہمیں کرنی ہے۔ حضورؐ کو حکم ہوتا ہے۔

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ

ترجمہ ۔ کہدو کہ میری نماز میری عبادت، میرا جینا، میرمرنا، سب خدا ہی کے لیئے ہے ۔ جو سارے جہان کا پرور دگار ہے ۔ جس کا کوئی شریک نہیں ۔"

یہ ہے محبت خدا کی ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

ایک اور وجہ جو عیسائیوں میں جنگ و فساد کی زیادہ بنا بنی رہی ہے اور وہ مذہب جسکو انگریزی میں ۔۔ Church کہتے ہیں ۔ اور ریاست جس کو انگریزی میں State. کہتے ہیں ۔ کی آپس میں جنگ ہے ۔ جو صدیوں تک عیسائیوں میں جاری ۔ اس کے لیئے دیکھو کتاب ۔

Outlines of Europen History.
by A.S. Grant.
Part I & II

یہ ایک لمبی داستان ہے ۔ مگر میں اس میں سے تھوڑے سے واقعات بیان کروں گا ۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۰۹ پر اس مصنف نے بیان کیا ہے ۔ کہ رومن ایمپائر کی تیسری صدی میں حالت یہ ہو گئی تھی کہ ریاست اور مذہب دونوں ایکدوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے ۔ ایک کی فتح سے دوسرے کی شکست لازمی تھی ۔ لعض بادشاہوں نے عیسائیت کو ہٹانا چاہا لعضوں نے اس طرف زیادہ غور نہ کیا ۔ آخر ایک شخص Constantine نے عیسائیت کو اپنا مددگار بنانا چاہا ۔ اور وہ جیسا کہ دوسری جگہ ذکر کیا گیا ہے ۔ اس نے چرچ کونسل کی صدارت اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ باوجودیکہ وہ عیسائی

نہیں تھا۔ صفحہ ۱۱۷ پر اس مصنف نے بیان کیا ہے۔ کہ کس طرح عیسائیت میں سخت تنازعہ برپا ہوا۔ کہ حضرت عیسیٰ کا خدا سے کیا تعلق ہے۔ تین صدی تک ان تنازعوں نے بقول اس مصنف کے زندگی کے ہر حصے پر بڑا گہرا اثر کیا۔ ۳۹۴ء میں عیسائیت سلطنتِ روم کا مذہب قرار دی گئی۔ اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہیں تباہ کر دی گئیں۔ ۴۷۶ء میں رومن ایمپائر کا مغربی حصہ غیر مذہب والوں نے فتح کر لیا۔ جب روم پر بھی غیروں نے قبضہ کر لیا تو لبشپ آف روم کو موقع مل گیا۔ کہ وہ آئندہ کے لئے پوپ بن جائے۔ پوپ Gregory. نے جسکو کہ گریگاری دی گریٹ کہتے ہیں۔ چرچ کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اور روم میں دراصل اس کی حکومت تھی۔ ادھر اسلام بھی اس عرصہ میں نمودار ہو گیا۔ اور اس نے بھی رومن ایمپائر کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔

تیسرا امر جس نے ان سب باتوں پر اثر ڈالا۔ وہ Frankish monarchy. تھی اور ایک امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ اٹلی میں زیادہ طاقتور قوم :- Lombards۔ تھی۔ یہ اگرچہ عیسائی ہو گئے تھے۔ مگر پوپ کی نظروں میں Children of the Devil. یعنی شیطانی بچے تھے۔ پوپ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ کہ ان کی حکومت کے سامنے کسی کی حکومت ہو۔ ۷۵۰ء کے قریب روم میں ایک اور مذہبی تحریک شروع ہوئی۔ جس کو کہ بت شکن تحریک کہا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر مسلمانوں کے اثر کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ دیکھو صفحہ ۱۴۴ یہ تحریک ۷۸۵ء تک کامیاب رہی۔ مگر اس کے بعد شہزادی آئرین نے اس کو دبا لیا۔ ۷۵۱ء میں ایک بڑی بات یہ ہوئی کہ .Pepin کو بادشاہت کے دلانے میں

چرچ کا بھی بڑا حصہ تھا۔ اس وجہ سے انہیں پوپ کو بنمارٹ کے ملک کا تیسرا حصہ دینا پڑا۔ جس سے کہ اٹلی میں پوپ کو حکومت کا حصہ بھی ملگیا اس کے بعد پوپ نہ صرف مذہب ہی کے روحانی سردار تھے۔ بلکہ ان کو ملکی حکومت بھی حاصل تھی۔ جس سے کہ ان کے آخر روم کے بادشاہوں کے ساتھ تنازعات شروع ہوتے ہیں۔ گری گارڈی گریٹ نے یہاں تک کہدیا۔ کہ پوپ کو بادشاہوں کو تخت سے اتارنے کا حق حاصل ہے۔ اور وہ بادشاہوں کا بھی حاکم ہے۔

پھر آگے دیکھو صفحہ ۱۶۶ سے آگے اس مصنف نے ۱۰۷۷ء سے لیکر ۱۲۶۸ء تک باب ہائے ۱۰، ۱۱، ۱۲ میں ان تنازعات کا ذکر کیا ہے۔ جو پوپ اور بادشاہوں میں ہوئے۔ پوپ Innocant third. نے تو یہاں تک کہدیا۔ کہ پوپ حضرت عیسیٰؑ کا خلیفہ ہے۔ اور پیٹر کا جانشین ہے۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان واسطہ ہے۔ خدا سے درجے میں کم اور انسان سے بالا ہے۔ وہ ہر ایک شخص کی عدالت کر سکتا ہے۔ مگر کوئی شخص اسکی عدالت نہیں کر سکتا۔ اس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے پیٹر کو نہ صرف دنیا کے چرچ ہی کی حکومت عطا کی۔ بلکہ تمام دنیا کی حکومت۔ دیکھو باب ۱۳ اور صفحات ۱۹۱ و ۱۹۲ میں اس نے ذکر کیا ہے۔ کہ فرانس کی کس طرح بادشاہت قائم ہوئی۔ اور پہلی صلیبی جنگ کا بھی ذکر کیا۔

باب ۱۴ میں دوسری صلیبی جنگوں کا ذکر کیا ہے۔ بارھویں صدی کے درمیان عیسائیت کا ... سلسلہ نکلا جنہوں نے کہا کہ پادریوں کو لوگوں میں مل جل کر کام کرنا چاہیئے۔ اور غربت میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔ تیرھویں صدی تک چرچ کو بہت زیادہ اختیارات حاصل رہے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر

ہے کہ جب Otto one. آٹو اول پوپ کی مدد سے قیصر یعنی شہنشاہ قرار پایا۔ تو پوپ کی عزت پہلے سے بہت بڑھ گئی۔ اگرچہ پوپ کی ریاست سے بہت سے علاقے مسلمانوں نے چھین لئے۔ لیکن جب فرانس کو حکومت حاصل ہوئی۔ Philip the IV. ۱۲۸۵ء میں بادشاہ ہوا۔ اس نے پوپ کی منزلت اور قدر کو بالکل گرا دیا۔ یہاں تک کہ Boniface VIII نے پوپ کو قید کر دیا۔ اور بڑی بے عزتی کی۔ اس کے بعد پوپ ہمیشہ کے لئے سلطنت کے دستِ نگر ہو گئے۔ تقریباً ایسا ہی حال Henry The VIII نے انگلستان میں چرچ کا کیا یہ پوپ Benface VIII وہی ہے۔ جس نے قرار دیا تھا کہ ہر ایک انسان کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ وہ رومن پوپ کے ماتحت ہو۔ ایک اور موقع پر اس نے کہا تھا کہ میں قیصر ہوں، میں اصلی شہنشاہ ہوں۔ اور روئے زمین کے باقی بادشاہوں کا حاکم ہوں۔

جب فرانس کی بادشاہت قائم ہوئی۔ تو صد سالہ لڑائی شروع ہو گئی ۱۳۴۶ء سے ۱۳۵۶ء تک اور ۱۳۰۵ء سے لیکر ۱۳۷۷ء تک پوپ کی رہائش بجائے شہر روم کے Avignon. میں رہی جسکو پوپ کی قید کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔

Gregary IX ۱۳۳۸ء میں ایک اور مصیبت سامنے آئی جب مر گیا۔ تو ایک پوپ کی بجائے دو پوپ چنے گئے۔ اور یہ جھگڑا ۱۴۱۷ء تک چلتا رہا۔ اس کے بعد بہت سی کونسلیں عیسائیوں کی ہوتی رہیں۔ تاکہ جو مذہبی اختلافات عیسائیوں کے آپس کے ہیں ان کو مٹا دیا جائے۔ لیکن اختلافات بڑھتے ہی گئے۔ آخر وہ زمانہ آگیا کہ Dante. جیسے شخص پیدا ہوئے۔ اور

اٹلی میں پھر یونانی علم کا چرچا ہونے لگا۔ ساتھ ہی دنیا کے دو بڑے حصے جو ابھی تک یورپ والوں کو معلوم نہیں تھے۔ دریافت ہوئے جن میں کہ Marcopolo. اور Colambas — کی دریافتیں قابل ذکر ہیں۔ مسٹر گرانٹ Granle. نے اپنی یورپین ہسٹری کے پہلے حصے کو اسی بات پہ ختم کیا ہے کہ ان نئی دریافتوں نے لوگوں کے خیالات کو تبدیل کر دیا۔ اس کے تھوڑی مدت بعد پھر Kapolor. اور Galileo. نے نظامِ شمسی کی نسبت نئے اصول بیان کر کے لوگوں کے خیالات کو تبدیل کر دیا۔

اب میں اس حصے کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ جو تنازعات بعد ازاں پیدا ہوئے۔ جن کے باعث لوتھر Luther. وغیرہ تھے۔ اور اس کا دوسرا باب شروع کرتا ہوں۔ جس سے قرآنِ کریم کی رو سے وہ تاریخیں دی جائیں گی۔ جن سے سب امور پہ روشنی پڑیگی۔ اور بتلایا جائے گا کہ عیسائی سلطنتیں کس طرح برسرِ پیکار ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔

ہمیشہ جنگ کا نتیجہ فتح یا شکست کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ کسی ایک فریق کی شکست یا دوسرے کی فتح۔ شکست خوردہ کے باطل اور فتح کے حق پہ ہونے کی دلیل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ گو حق و باطل کی جنگ میں آخری فتح اہل حق کی ہوتی ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے لئے اہلِ باطل بھی حق پرستوں پہ غالب آجایا کرتے ہیں۔ اسلئے فتح و شکست کسی فریق کے سچے یا جھوٹے ہونے کا معیار نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسلامی جنگوں کے متعلق ہم نے اس خیال سے قلم اٹھایا ہے۔ لیکن حالات کی ناموافقت اور اسباب کے مہیا نہ ہونے کے باوجود۔ ایک قومی اور زبردست دشمن کے مقابلے میں جو اکثریت کے ساتھ

ہر قسم کی مادی طاقت سے لیس ہے۔ قبل از وقت یہ پیشگوئی کر دی کہ ضعیف اور کمزور خدائی امداد کے ساتھ اپنی صداقت اور سچائی کی وجہ سے یہ ایک دن ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ اور فریق مخالف ترقی کے دنیوی سازو سامان کے باوجود روز بروز حق کی مخالفت کرنے کی وجہ سے رُو بہ تنزل ہوتا رہے گا۔ اور ایسا ظہور میں بھی آتا رہے۔ اور پھر باوجود شدید مخالفانہ مزاحمت کے حق کی آواز کو نہ دبا سکے۔ اور اس کے مقابلے میں نامرادی کا منہ دیکھے۔ تو یہ ضعیف اور کمزور کی سچائی اور اس کے ساتھ خدا کی امداد کے ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

ہم دوسرے باب میں اسلامی جنگوں کی بابت جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ اسی نظریئے کے ماتحت ہے جس کے مطالعہ کے بعد ہر کوئی حق پسند اسلام کی صداقت اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝

باب ۲

اسلام کی ابتدائی جنگیں

اسلامی جنگوں پر لکھنے سے پہلے ایک خاص امر کو واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، بعض مورخوں کا خیال ہے کہ جب آنحضرت صلعم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے اپنے چند ایک پیروکاروں کے ساتھ مدینہ طیبہ گئے۔ اور وہاں تھوڑی سی جماعت پیدا کر لی۔ تو وہ جنگ پہ آمادہ ہو گئے۔ تاکہ زبردستی اپنا دین پھیلائیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگیں نہ اس خیال سے کی ہیں۔ اور نہ یہ کامیابی آپؐ کو جنگ کی ابتداء کرنے سے ہوئی۔

جنگ کے شروع کرنے میں تو کفار پیش پیش تھے۔ اور ان کی طاقت بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی۔ ظاہری حالات میں ان کو غلبہ حاصل ہونا چاہیئے تھا۔ مگر معاملہ برعکس ہوتا رہا۔ اس لئے اس کی وجہ حقیقت میں وہ پیشگوئیاں ہیں۔ جن کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی گئی تھی۔ اور یہ بتا دیا تھا کہ ان کی اور ان کے دین کی کامیابی یقینی امر ہے۔ خواہ وہ کسی ذریعہ اور سبب کے باعث ہو۔

چونکہ کفار نے خود جنگ کی ابتدا کی تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اسی ذریعہ سے کامیابی عطا فرمائی۔ اور کفار کے ظاہری اسباب سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔

قرآن کریم اس قسم پیشگوئیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر سمجھانے کے لئے ایک دو آیات بیان کر دینی کافی ہیں۔ سورۃ المزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے دوسری یا تیسری ہے۔ پہلے پہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب بیداری کا حکم کرتے ہوئے فرمایا۔

یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ لا
او انقص منہ قلیلا او زد علیہ و رتل القرآن ترتیلا ہ

ترجمہ۔ اے چادر لپیٹنے والے (رسول، رات کو (نماز کے واسطے) کھڑے ہو۔ مگر پوری رات نہیں۔ تھوڑی رات، آدھی یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو۔ اور قرآن کریم کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کے پڑھا کرو۔ پھر نویں اور دسویں آیات میں فرمایا ہے۔

واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا و ذرنی و
المکذبین اولی النعمۃ و مھلھم قلیلا ہ

ترجمہ۔ اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں۔ اس پر صبر کرو۔ اور ان سے بعنوان شائستہ الگ تھلگ رہو۔ اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولت مند ہیں سمجھ لینے دو۔ اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیدو۔

پھر آگے چودہ پندرہ آیات میں حکم ہوتا ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی
فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول فاخذناہ اخذا وبیلا ہ

ترجمہ۔ (اے مکہ والو) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح ایک رسول (محمد صلعم) کو بھیجا، جو تمہارے معاملے میں گواہی دے۔ جس طرح فرعون کے پاس ایک رسول (موسیٰ) کو بھیجا تھا۔ تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی

کی تو ہم نے بھی (اسکی سزا میں) اسکو بہت سخت پکڑا۔ ظاہر ہے کہ تھوڑی سی مہلت دیکر خدا کا ایک ساتھ نپٹ لینا بھی تھا۔ کہ اس عرصہ میں ان کی شکست کے اسباب جمع کئے جا رہے تھے۔ یاد رہے کہ پہلے حکم کے ایک سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔ کہ اب نصف شب یا ⅓ شب نماز میں کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا جائے۔ اور ساتھ ہی آسانی کے وجوہات بھی بیان کر دیئے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا۔

علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القرآن
علم ان سیکون منکم مرضیٰ وآخرون یضربون فی الارض
یبتغون من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرءوا ما تیسر منہ

ترجمہ۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس پر پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتے۔ اس نے تم پر مہربانی کی۔ تو جتنا آسانی سے ہو سکے نماز میں قرآن پڑھ لیا کرو۔ وہ جانتا ہے کہ عنقریب تم سے بعض بیمار ہو جائیں گے۔ اور بعض خدا کے فضل کی تلاش میں روئے زمین کا سفر اختیار کریں گے۔ اور کچھ لوگ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ تو جتنا تم سے آسانی سے ہو سکے پڑھ لیا کرو"۔

یہ نبوت سے ایک سال بعد کا ذکر ہے۔ تین چار سال بعد سورۃ روم نازل ہوئی۔ جس میں روم کے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں اس کے غالب ہونے کی خبر دی جاتی ہے۔ جو اپنے وقت پر پوری ہو جانے کی وجہ سے اسلام کی صداقت اور مسلمانوں کی کفار کے مقابلہ میں فتح پر منتج ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

الٓمّٓ ۚ غلبت الروم ۙ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم ۙ
سیغلبون ۙ فی بضع سنین ۗ للہ الامر من قبل ومن بعد ۚ

ویومئذٍ یفرح المؤمنون ۵ بنصر اللہ ینصر من یشاء ۵ وھو العزیز الرحیم ۵

ترجمہ ۔ مغلوب ہو گئے ہیں رومی ، ملتے ہوئے ملک میں ، اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں ۔ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام پہلے اور پچھلے ۔ اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے ۔ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے ۔ اور وہی ہے زبردست رحم والا ۔"

چونکہ اس کے واقعات مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے حاشیہ قرآن میں صحیح طور پر دیئے ہیں ۔ اس لئے اُنہیں کے الفاظ میں ان واقعات کو بیان کرنا مناسب ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

"بضع" یعنی ۹ سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے ، کیونکہ لغت میں اور حدیث میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ تک ہوا ہے ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشنگوئی کی ہے ۔ جو اسکی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں فارس (جسے ایران کہتے ہیں) اور روم مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں ۔ ۶۰۲ء سے لیکر ۶۲۰ء کے بعد تک ان کی باہمی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا ...

پھر آسمانی پیشگوئیوں کے مطابق ۵۷۰ء میں نبی کریم کی ولادت باسعادت اور ۴۰ سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت کا سال ۶۰۹ قرار دیا ہے ۔ اور ۶۱۰ء سے روم و فارس کے درمیان

چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ اسی دوران میں نبی کریمؐ کے اعلان نبوت پر مشرکین نے مخالفت شروع کر دی۔ اور اس مخالفانہ تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی، فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور رومی نصاریٰ، اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آئی، تو مشرکین مکہ مسرور ہوئے۔ اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی قطعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں۔ ادھر مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔

آخر ۶۱۴ء کے بعد جبکہ ولادتِ نبویؐ کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے تو خسرو پرویز یعنی کیخسرو ثانی کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام و مصر اور ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور رومیوں کا دار السلطنت بھی خطرے میں پڑ گیا۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر کوئی اسباب روم کے اُبھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کے باقی نہ رہے۔

یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا۔ بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے۔ حتیٰ کہ

بعض مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا۔ کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔" تو اس وقت قرآن نے سلسلۂ سامان و اسبابِ ظاہری کے بالکل خلاف تحیر کن اعلان کر دیا کہ۔

"بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہوئے ہیں۔ لیکن ۹ سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے"۔

اس پیشگوئی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اسوقت ایسی شرط باندھنا منع نہ ہوئی تھی) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو اونٹ تم کو دوں گا۔ ورنہ سو اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے "بضع سنین" کی بنیاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بضع کے لغوی مدلول یعنی ۹ سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا۔ اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی۔ تو حمص سے پیدل چلکر ایلیا (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔

خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق ٹھیک ۹ سال کے اندر یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر عین بدر کے دن۔ جب کہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکینِ مکہ پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ تو عین اس موقعہ پر یہ خبر سنکر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا ہے۔ اور ادھر اس ضمن میں مشرکینِ مکہ کو مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔

قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سو اونٹ مشرکینِ مکہ سے وصول کئے۔ جن کے متعلق حضورؐ نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیئے جائیں۔ الحمد للہ علیٰ نعمائہ الظاہر و آلائہ الباہر

یہاں ساتھ ہی یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ اس واقعہ کے ۱۲½ سو برس کی تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرت انگیز پیشگوئی کی سچائی سے متحیّر و متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ۔

"مشرق ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اور عین اس وقت جبکہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں، اس نے پیشگوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم پر سایہ افگن ہوگی۔" جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ کوئی پیشگوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی یعنی (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء) تک کی حکومت نے اسبات کا اعلان کر دیا تھا۔ کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔"

رومی تاریخ کی مطابقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۶۰۹ء میں آپؐ کی بعثت ہوئی ۶۱۰ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی ۶۱۳ء میں اعلانِ جنگ ہوا، ۶۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا۔ ۶۱۶ء میں رومی شکست تکمیل کو پہنچ گئی، ۶۲۲ء سے پھر رومیوں نے حملہ شروع کیا ۶۲۳ء سے ان کی کامیابی کا آغاز ہوا۔ اور ۶۲۵ء میں ان کی فتح کی تکمیل ہو گئی۔ اس ترتیب سے دیکھئے تو ظاہر ہو گا کہ اس پیشگوئی کی خوبی یہ ہے کہ

اگر آغازِ شکست سے فتح تک جوڑیئے تو بھی ۹ برس ہوتے ہیں۔ اگر انجامِ شکست سے اختتامِ فتح تک جوڑیئے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔

(منقول از سیرت النبی جلد سوم)

ھجرت سے پہلے سورۃ الکہف نازل ہوتی ہے۔ اس میں اول اصحاب کہف کا ذکر ہے۔ جنہوں نے اس وقت کے بادشاہ کی بے دینی سے تنگ آکر ایک غار میں پناہ لی تھی۔ اس سے ملتا جلتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے۔ تو چند دن ان کو غار میں حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ ٹھہرنا پڑا۔ اور یہ سورۃ ذوی القرنین کے حالات و فتوحات پر ختم ہوتی ہے۔ آپ یہ دیکھ کر ضرور محظوظ ہوں گے کہ ذوالقرنین کی سلطنت عین اس سلطنت کے ممالک پر مشتمل تھی جس پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے جانشینوں نے خلافت قائم کی۔ گویا اس سورۃ میں اسلام کے تاریخی ارتقاء کا نقشہ پہلے ہی پیش کر دیا گیا تھا۔ اور جو اپنے وقت پر ظاہر ہوا۔ اب ہجرت کے کچھ حالات سن لیجئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں پیغامِ توحید سنانا شروع کیا تو مشرکینِ مکہ کو سخت ناگوار ہوا۔ اور انہوں نے حضورؐ کو ہر طرح سے تنگ کرنا شروع کیا۔ ساتھ ہی آپ کے اصحاب کو بھی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ خاص کر ان لوگوں کو جو کسی قریش خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کو حد سے زیادہ تنگ کیا گیا تو حضورؐ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ :-

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون الذین صبروا وعلیٰ ربھم یتوکلون ۵

ترجمہ - اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا۔ البتہ ہم ان کو ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا۔ اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ یعنی جنہوں نے (خدا کی راہ میں سختیوں پر صبر کیا) اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ آخرت کا ثواب جانتے ہوتے۔

نیز سورۃ زمر میں آچکا ہے کہ۔

قل یٰعباد الذین اٰمنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ وارض اللہ واسعۃ انما یوفی الصٰبرون اجرھم بغیر حساب ۝

ترجمہ - (اے رسول) کہدے کہ اے میرے ایماندار بندو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی۔ انہی کے لئے بھلائی ہے۔ اور خدا کی زمین تو کشادہ ہے۔ جہاں عبادت کر سکو۔ صبر کرنے والوں کو بھرپور اور بے حساب بدلہ دیا جائے گا۔"

نوٹ - انہیں بلاشبہ اس طرح ترکِ وطن کرنے میں بہت سے مصائب برداشت کرنے پڑیں گے۔ اور طرح طرح کے خلافِ عادت و طبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا۔ لیکن یاد رہے کہ بیشمار ثواب بھی ملے گا جو صبر سے ملتا ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کی سختیاں، ہیچ ہیں۔ دیکھو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح انجام میں اہل حق کی کامیابی کی خبر دی ہے۔ اور کس طرح اپنے وقت پر اس کا ظہور ہوا ہے۔

غرض یہ چند اصحاب تھے جو کفارِ مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آکر ابتداً ملکِ حبشہ کو ہجرت کر گئے جس کا فرمانروا عیسائی تھا۔ مگر مکے والوں نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہاں بھی ان کو تنگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اتنے عرصہ میں مدینہ شریف میں جسکو یثرب کہتے ہیں۔

اوس اور خزرج کے قبائل نے جو بعد ازاں انصار کے معزز لقب سے مشرف ہوئے۔ اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد باقی اصحاب ایک ایک دو دو کر کے سب کے سب مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے۔ مگر انصار نے مہاجرین کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ اس کی مثال نہ دنیا میں کبھی ہوئی ہے نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف سورہ حشر میں اس طرح بیان کی۔

والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہٖ فاولٓئک ھم المفلحون ہ

ترجمہ - جو لوگ مہاجرین سے پہلے ہجرت کر کے گھر (مدینہ) میں مقیم ہیں، اور پہلے سے ایمان لا چکے ہیں۔ وہ ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کو ملا اس کی اپنے دلوں میں کچھ غرض نہیں پاتے، اگرچہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا ایسے ہی لوگ فلاح کار اور کامیاب ہیں، وہ دل کی مرادیں پائیں گے۔

آخر کار حبشہ سے ۸۰ صحابہ بھی دوسرے صحابیوں کے ساتھ مدینہ شریف میں جا ملتے ہیں۔ اسی طرح جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے اپنی نصرت کا کیا تھا وہ پورا کر دیا۔ گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانہ دیا۔ اور گھر سے اچھا گھر اور روزی سے بہتر روزی، عزت سے بہتر عزت بخشی۔ بلکہ وطن سے نکالنے والوں پر غالب آئے۔ دنیا کے حاکم اور پرہیزگاروں کے امام بنے۔ جب تقریباً سب مسلمان مدینہ شریف چلے گئے۔ تو دشمنوں کو ڈر ہوا کہ مدینہ

میں جا کر یہ لوگ زور پکڑ لیں گے۔ اس لئے باہمی مشورہ سے دشمنانِ دین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی ٹھان لی۔ رات کے آخری حصہ میں حضور کے مکان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ تاکہ حضور صلعم جب نماز کے لئے نکلیں تو قتل کر دیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت آپ کے ساتھ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا دیا۔ صبح سویرے سب کے سامنے "شاہت الوجوہ" کہتے ہوئے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس پہنچے اور ان کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کفار کو اس وقت تک معلوم نہ ہوا جب تک صبح اچھی طرح نہ ہو گئی۔ در حقیقت یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ تھا۔ قرآنِ کریم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

۹/۱۸ - واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین ۝

ترجمہ۔ (اے رسول) تو وہ وقت یاد کر جب کفار تم سے فریب کر رہے تھے۔ تاکہ تم کو قید کر لیں، یا تم کو مار ڈالیں، یا تمہیں وطن سے نکال باہر کریں۔ وہ دین کو مٹانے کی اور اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار اور ناکام کرنے کی تدبیریں کرتا ہے۔ اللہ بہترین تدبیریں کرنے والا ہے۔ یعنی اللہ کی تدبیریں غالب ہو کر رہتی ہیں۔"

چنانچہ وہ تو یہ تدبیریں کر رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تدبیر کر رہا تھا۔ چونکہ خدا تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے اسلئے وُہی غالب رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضؓ کے ساتھ مکہ سے باہر نکلے، اور چار میل باہر مکہ سے غارِ ثور میں پناہ لی۔ ادھر دشمنانِ دین کو اس وقت معلوم ہوا کہ حضورؐ مکان سے باہر جا چکے ہیں جب کہ انہوں

نے حضورؐ کے مکان کے اندر گھس کر دیکھا کہ حضورؐ موجود نہیں ہیں۔ اور ان کی جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ تب وہ حضورؐ کی تلاش میں کھوج نکال کر تعاقب کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کیا کہ انہیں غار کے اندر کچھ نظر ہی نہ آیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ حالت دیکھ کر کچھ گھبراہٹ ہوئی۔ تو حضورؐ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے خدا پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کی۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ہی العلیاء ان اللہ عزیز حکیم۔

ترجمہ۔ اگر تم اس رسول کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں۔ (خدا مددگار ہے۔) اس نے تو اپنے رسول کی اس وقت مدد کی۔ جبکہ اس کو (کفار مکہ) نے گھر سے نکال باہر کیا (اس وقت صرف دو آدمی تھے) اور دوسرے رسول تھے۔ جب وہ دونوں غار ثور میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی کو کہہ رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں، خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے، تو خدا نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ اور فرشتوں کے ایسے لشکر سے مدد فرمائی۔ جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں۔ اور خدا نے کافروں کی بات نیچی کر دکھائی۔ اور خدا ہی کا بول بالا ہے۔ اور خدا تو غالب حکمت والا ہے۔"

نوٹ۔ ان اللہ معنا کے الفاظ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور صلعم اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اپنے وقت پر قضائے الٰہی سے انتقال فرمایا۔ باقی خلفائے راشدینؓ شہید ہوئے۔ جیسا کہ ان کی نسبت حضور صلعم نے کوہ احد پر خبر دی تھی۔ دشمنانِ دین اس تعاقب میں ناکام ہو کر واپس ہو گئے۔ پھر تین دن کے بعد حضور صلعم غار کو چھوڑ کر مدینہ منوّرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں یہ خوشخبری بطور پیشگوئی کے سنا دی گئی۔

۲۰/۱۲ - ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الیٰ معادہ

ترجمہ۔ اے رسول وہ خدا جس نے تم پر قرآن نازل کیا۔ ضرور تم کو پھر واپس لوٹا کر لانے والا ہے۔ پہلی جگہ پر۔

یعنی اس وقت فتح مکہ کی خوشخبری سنائی اور فرما دیا کہ پھر مکہ میں واپس آؤ گے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت ہجرت کا حکم ہوا تھا۔ تو یہ دعا تلقین کی گئی تھی۔

۱۵/۹ - وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا ٭ وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

ترجمہ۔ اور یہ دعا مانگا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں پہنچانا ہے اچھی طرح پہنچا، اور مجھے جہاں سے نکالنا ہے اچھی طرح سے نکال۔ اور مجھے خاص اپنی بارگاہ سے ایک حکومت عطا فرما۔ جس سے ہر قسم کی مدد پہنچے۔ اور اے رسول کہدو کہ دین حق آگیا، اور باطل نیست و نابود ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ باطل مٹنے ہی والا تھا۔

یہ تینوں باتیں نہایت خوش اسلوبی سے پوری ہوئیں۔ یہ دعا دراصل

ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اس وقت کی گئی جب بظاہر کوئی سامان غلبۂ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہدو کہ قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا، اور باطل کو کچلتا ہوا آپہنچا۔ پس سمجھ لو کہ دین حق غالب ہوا اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے، بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلعم جب مکہ میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے۔ اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے بعض پر ضرب لگاتے اور بعض کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے اور وہ گر جاتے۔ اور حضور فرماتے جاتے۔

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ٥

اور جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید ٥

اور ہر ایک بت اوندھا ہو کر گرتا جاتا تھا۔ اسی طرح قرآن مجید کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور دوسری پیشگوئی کے متعلق یہ اعلان کیا کہ جو کفر کعبہ سے بھاگ کر نکلا ہے۔ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک دشمنانِ دین نے حضورؐ کو مدینہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آپؐ نے جنگ کرنے میں پہل نہیں کی، بلکہ کفار کو جب موقعہ ملتا مسلمانوں پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو تو پہلے یہ حکم تھا۔

۲ - یاایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ط ان اللہ مع الصٰبرین ٥

ترجمہ ۔ اے مسلمانوں مدد لو صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس میں یہاں یہ اشارہ ہے کہ صبر اور صلوٰت کی مداومت سے تمام امور آسان کر دیئے جائیں گے۔ اور یہ اشارہ بھی ہے کہ جہاد میں بھی محنت اٹھاؤ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ آخر کار مسلمانوں کو بھی جہاد کرنے کی اجازت مل گئی۔ ابتدا میں صرف مدافعت پر اکتفا کیا، غزوۂ

احزاب کے بعد جو ۵ھ میں ہوا۔ جنگ جارحانہ کی ابتدا ہوئی۔ سورۃ الحج میں ہے۔

۱۷/۱۳ - اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیرہ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیزہ الذین ان مکناھم فی الارض واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور

ترجمہ ۔ جن مسلمانوں سے کفار لڑا کرتے تھے۔ چونکہ وہ بہت ستائے گئے، اس وجہ سے انہیں بھی جہاد کی اجازت دیدی گئی۔ اور خدا تو ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔ وہ مظلوم جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور اگر خدا تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے دور اور دفع نہ کرتا رہتا تو گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے، اور مصلے اور مسجدیں، جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ کبھی کے ڈھا دیئے گئے ہوتے اور جو شخص خدا کی مدد کرے گا۔ خدا بھی البتہ اسکی مدد کرے گا۔ بیشک خدا تعالیٰ زبردست غالب حکمت والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں روئے زمین پر قابو دیدیں، تو بھی یہ لوگ پابندی سے نماز ادا کریں گے۔ اور زکوٰۃ دینگے۔ اور اچھے اچھے کاموں کا حکم دیں گے۔ اور بری باتوں سے لوگوں کو روکیں گے۔ یوں تو سب لوگوں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے"۔

ان آیات مبارکہ کی خوبیاں لکھنے سے قلم قاصر ہے۔ مدافعت اور حفاظت

کا یہ قانون نہ ہو تو شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہتی ہے۔ تمام مقدس مقامات اور یادگاروں کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ جہاد کی اجازت مظلوموں کو دی گئی اور اس لئے کہ اپنی ذات کی اور اپنے دین کی حفاظت کریں۔ اگر جہاد کی اجازت نہ دی جاتی اور مظلوموں کو ظلم سے انتقام لینا اور ان کے ظلم کا سدباب کرنا جائز نہ کیا گیا ہوتا تو جس طرح دنیا کے تمام کاروبار بند ہو جاتے، اسی طرح مذہب و ملت کا کارخانہ بھی درہم برہم ہو جاتا۔ حتیٰ کہ کوئی شخص خدا کا نام بھی نہ لے سکتا۔ اور جو مقامات خدا کا نام لینے کے لئے بنائے گئے ہیں، وہ مقامات قائم نہ رہتے۔ کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ جس طرح زراعتی پیداوار کو بارش کے ساتھ اور بارش کو ابر کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اسی طرح دین اور اہل دین کی حفاظت کو جہاد سے مربوط فرمایا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں صاف طور پر واضح ہے کہ جہاد کی مشروطیت صرف مظلوم کے لئے اور محض دفع مظالم کے لئے ہے۔ نہ یہ کہ جبراً مسلمان بنانے کے لئے، یا ملک گیری کے لئے۔ جبراً مسلمان بنانا قرآن کریم میں ممنوع قرار دیا گیا ہے لا اکراہ فی الدین۔ جنگ جارحانہ بھی حق خود اختیاری اور مذاہب کی آزادی کے فطری حق کو قائم رکھنے کی نیت سے ہوتی ہے۔ ملک گیری اور برتری کی ہوس میں نہیں کی جاتی۔ پھر ساتھ ہی دو تین پیشگوئیاں اور فرما دیں۔

ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔

ترجمہ۔ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

یعنی مسلمانوں کو فرما دیا کہ وہ اپنی اس قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کر سکتا ہے۔ دوسرے ان

کی شان میں فرمایا۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ط

ترجمہ ۔ یہ ان مسلمانوں کا بیان ہے۔ جن پر ظلم ہوئے اور جن کو گھروں سے نکال دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ خدا ان کی مدد کیوں نہ کرے گا۔ جبکہ وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دیدیں، تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ خود بھی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راستے پر ڈالنے کی کوشش کریں۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی۔ اور جو پیشگوئی کی تھی وہ حرف بہ حرف پوری کی۔ قانونی حکومت کی غرض و غائیت بھی واضح کر دی۔ حکومت میں مسلمانوں کا دستور العمل یہ ہونا چاہیئے کہ وہ نماز کو قائم کریں یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم کریں۔ ادائے زکوٰۃ کی پابندی رکھیں جس سے غربت دور ہو جائے۔ اللہ کی مرضی کے مطابق احکام جاری کریں۔ اور برائی سے لوگوں کو روک دیں۔ یعنی ان کاموں میں کوشش کریں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اور جن باتوں سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ ان سے دور رہیں یہ وہ اصول ہیں۔ جن کی پیروی سے دنیا میں امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو سکتی ہے

ذرا غور سے سنیئے! باطل کس طرح مٹتا ہے۔ اس رسالہ میں یہ منشاء نہیں کہ اسلامی جنگوں کی پوری تاریخ لکھی جائے۔ بلکہ مدعا یہ ہے کہ وہ واقعات قرآن کریم کی روشنی میں بیان کئے جائیں۔ جن سے قرآن اور صاحب قرآن کی صداقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ جب مدینہ آئے۔ اور انصار نے ان کو پناہ دی۔ تو تمام عرب ان سے ایک ساتھ لڑنے

کو آمادہ ہو گئے۔ آخر ۲ھ میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق جو سب سے پہلے آیت نازل ہوئی۔ وہ یہ ہے

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم

ترجمہ۔ خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

۲ھ میں مشرکین مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام گیا۔ عام مورخین نے یہ لکھا ہے کہ مدینہ سے مسلمان قریش کے قافلہ کو اس کی واپسی پہ اسے لوٹنے کے لئے نکلے۔ لیکن اتفاق سے کاروان ہاتھ نہ آیا اور بچ بچا کر نکل گیا۔ لیکن سیرۃ النبی جلد اول میں صفحہ ۲۸۲ لغائیت ۳۳۹ پہ اس کے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ مورخین کا یہ خیال غلط ہے۔ اور میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ میں کچھ واقعات اپنے رنگ میں بیان کروں گا۔

دراصل بات یہ ہے کہ مکہ میں منکرین و مشرکین حضورؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو جو نہایت قلیل تھے تنگ کرتے تھے۔ لیکن مومنین کو تسلی دی جاتی رہی تھی کہ آخر کار کامیابی آپ کی ہے۔ جس کی دو چار مثالیں دی جاتی ہیں۔

۳۷/۲۳ - ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۝ انھم لھم المنصورون ۝ وان جندنا لھم الغلبون ۝ فتول عنھم حتی حین ۝ وابصرھم فسوف یبصرون ۝

ترجمہ - اور اپنے خاص بندوں (پیغمبروں) سے ہماری بات پکی ہو چکی ہے کہ ان لوگوں کی (ہماری بارگاہ سے) یقینی مدد کی جائے گی۔ اور ہمارا لشکر تو یقیناً غالب رہے گا۔ تو (اے رسول) تم ان سے ایک خاص وقت تک منہ پھیرے رہو، اور ان کو دیکھتے رہو۔ تو یہ لوگ خود عنقریب ہی اپنا نتیجہ دیکھ لیں گے۔"

سورۃ ص ۳۸ ۸۶ - قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین ان ھو الا ذکر للعلمین ولتعلمن نباہ بعد حین ٥

ترجمہ - (اے رسول) تم کہدو کہ میں تم سے نہ اس (تبلیغ رسالت) کی مزدوری مانگتا ہوں - اور نہ میں (جھوٹ موٹ) بناوٹ کرنے والا ہوں - یہ (قرآن) تو بس سارے جہان کے لئے نصیحت ہے - اور کچھ دنوں بعد تم کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی -

سورۃ زمر ۳۹ ۳۹ قل یقوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم انا انزلنا علیک الکتاب للناس بالحق فمن اھتدی فلنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انت علیھم بوکیل ٥

ترجمہ - (اے رسول) تم کہدو کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ، میں بھی اپنی جگہ کچھ کر رہا ہوں، پھر عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ کس پہ وہ آفت آتی ہے - جو اس کو (دنیا میں) رسوا کر دیگی اور آخرت میں اس پہ دائمی عذاب بھی نازل ہو گا - (اے رسول) ہم نے تمہارے پاس (یہ) کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کے واسطے نازل کی ہے - پس جو راہ پر آیا تو اپنے ہی (بھلے کے) لئے اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہے - اور تم پھر کچھ ان کے ذمہ دار نہیں -

سورۃ المومن ۴۰ ۵۱ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ٥

ترجمہ - ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی ضرور مدد کریں گے - اور اس دن بھی جس دن گواہ (پیغمبر، فرشتے) گواہی

کو اٹھیں گے۔ پھر ۲۱/۸ میں ہے :- ولقد ارسلنا من قبلك رسلنا الی قومهم فجاء وهم بالبینٰت فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقا علینا نصر المؤمنین ٥

ترجمہ۔ (اے رسول) ہم نے تم سے پہلے اور بھی بہت سے پیغمبر ان کی قوموں کے پاس بھیجے تو وہ پیغمبر واضح اور روشن معجزے لیکر آئے۔ (مگر ان لوگوں نے نہ مانا)، تو ان مجرموں سے ہم نے (خوب) بدلا لیا۔ اور ہم پر تو مومنین کی مدد کرنا لازم تھا ہی۔

دیکھو یہ پیشگوئیاں اپنے اپنے وقت پر کیونکہ پوری ہوئیں۔ اور ان کی تکمیل کے اسباب خواہ کچھ ہوں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کامیابی کے اسباب قدرتی طور پر اور از خود مجتمع ہوتے رہے۔ ظاہری حالات کے سازگار نہ ہونے کے باوجود بھی فتح و نصرت اللہ کے رسولؐ ہی کے قدم چومتی رہی۔

آخر کار ۲ھ میں وہ وقتِ نصرت آگیا۔ جس کی خبر سورۂ روم میں دی گئی تھی۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ سورۃ انفال میں اس واقعہ کو اس طرح شروع کیا ہے۔

کما اخرجك ربك من بیتك بالحق وان فریقا من المؤمنین لکٰرهون ٥ یجادلونك فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وهم ینظرون واذ یعدکم الله احدی الطائفتین انها لکم وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم ویرید الله ان یحق الحق بکلمٰته ویقطع دابر الکٰفرین لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کره المجرمون ٥

ترجمہ۔ جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں ٹھیک مصلحت سے

تمہارے گھر سے (جنگ بدر میں) نکال دیا تھا۔ اور مومنین کا ایک گروہ (اس سے) ناخوش تھا۔ کہ وہ لوگ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے سچی بات میں جھگڑتے تھے۔ اور اس طرح (کرنے لگے)، گویا وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ اور اسے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں اور (یہ وہ وقت تھا) جب خدا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ (کفار مکہ کی)، دو جماعتوں سے ایک تمہارے لئے ضروری ہے۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور جماعت ہاتھ لگے۔ اور خدا یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت (قائم) کرے۔ اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو ملیا میٹ کر دے۔ اگرچہ گنہگار کفار اس سے ناخوش ہی کیوں نہ ہوں۔

اس وقت قریش کا ایک کاروان تجارت شام سے واپس آرہا تھا جس میں ہر قسم کے لوگوں کا مال لدا ہوا تھا۔ یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلے کو لوٹنے آرہے ہیں۔ جس سے قریش کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کیا۔ اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔

الغرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً ۳۱۳ جان نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے۔ مکہ معظمہ سے قریش بڑے ساز و سامان سے روانہ ہو چکے تھے۔ ان کے لشکر میں ایک ہزار آدمی کی جمعیت تھی۔ جن میں سو سواروں کا رسالہ بھی تھا۔ عتبہ جو قریش کا سب سے بڑا معزز رئیس تھا۔ فوج کا سپہ سالار تھا۔ قریش کو بدر کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا۔ کہ ابو سفیان کا قافلہ خطرے کی زد سے نکل گیا۔ تاہم قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے۔ ان کی نسبت

قرآنِ کریم میں آیا ہے ۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ ط

ترجمہ ۔ (ان لوگوں کی طرح نہ بنو) جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے ۔"

اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لئے نکلتے تو ان کے لئے یہ الفاظ استعمال نہ ہوتے ۔ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے جس کا مقصود اپنے زورِ قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا ۔ اسلئے خداوند کریم نے اسکو غرور و نمائش اور صد عن سبیل اللہ کہا ہے ۔

باوجود اس قلت و کمزوری و بے سروسامانی کے اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے ۔ مسلمانوں کو فتح دی ۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے ۔

۳/۴ ۔ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون ط

ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کی لڑائی میں جب تم کمزور تھے ۔ مدد فرمائی سو ڈرتے رہو اللہ سے ۔ تاکہ تم شکر گذار رہو ۔

اس لڑائی میں کئی قسم کے معجزات دکھائے گئے ۔ سورۃ آل عمران میں ہے ۔

۳/۱ ۔ قد کان لکم اٰیۃ فی فئتین التقاؕ فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخرٰی کافرۃ یرونھم مثلیھم رأی العین واللہ یؤید بنصرہٖ من یشاء ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار ہ

ترجمہ ۔ بیشک تمہارے (نفع کے) واسطے ان دو (مخالف) گروہوں میں (جو بدر کی لڑائی میں) ایک دوسرے کے ساتھ گتھ گئے (رسول کی سچائی

کی)، بڑی بھاری نشانی کہ ایک گروہ خدا کی راہ میں جہاد کرتا تھا۔ اور دوسرا کافروں کا۔ جن کو مسلمان اپنی آنکھوں سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے قلیل ہی کو فتح دی۔ اور خدا اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے۔ بیشک آنکھ والوں کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔

ہر ایک فریق کو دوسرے فریق کی تعداد کم نظر آتی تھی۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

ترجمہ۔ یہ وہ وقت تھا جب تم لوگوں نے مٹھ بھیڑ کی۔ تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفار کو بہت کم کر کے دکھایا۔ تاکہ خدا کو جو منظور تھا، وہ پورا ہو جائے اور کلی باتوں کا دارومدار تو خدا پر ہی ہے۔"

دراصل کفار مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے۔ مگر ان کو مسلمانوں کی آنکھوں میں دوگنا دکھلایا گیا۔ اس طرح وہ قلیل ہی نظر آئے۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں آیا ہے۔ اور مسلمانوں کی تعداد تو کم تھی ہی۔ دوران جنگ میں ایک اور معجزہ دکھایا جاتا ہے۔ جب جنگ تیزی پر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی مٹھی لشکر کفار کی طرف پھینکی۔ اللہ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر ایک کافر کی آنکھ میں پہنچے۔ اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ اور ادھر سے مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔ جس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

ذٰلکم وان اللہ موھن کید الکفرین ۝

ترجمہ۔ سو تم نے ان کو نہیں مارا۔ لیکن اللہ نے ان کو مارا۔ اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی، لیکن اللہ نے پھینکی، تاکہ ایمان والوں پر خوب احسان کرے۔ بیشک اللہ ہے سننے والا، جاننے والا۔ خدا تو کافروں کی مکاری کو کمزور کر دینے والا ہے۔

اس فتح کے بعد کافروں کو تنبیہہ کی جاتی ہے۔ اور وہ بھی ایک پیشگوئی ہے جو پوری ہوئی۔

$\frac{9}{19}$ ۔ وان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا ولو کثرت وان اللہ مع المؤمنین ۝

ترجمہ۔ اگر تم یہ چاہتے تھے کہ (جو حق پر ہو اسکی) فتح ہو۔ تو مسلمانوں کی فتح بھی تمہارے سامنے آموجود ہوئی۔ (اب کیا عذر باقی ہے) اور اگر تم اب بھی مخالفتِ اسلام سے باز رہو تو تمہارے واسطے بہتر ہے۔ اور اگر تم کہیں پلٹ پڑے تو (یاد رہے) ہم بھی پلٹ پڑیں گے۔ (اور تم کو تباہ کر چھوڑیں گے) اور تمہاری جماعت اگرچہ وہ بہت زیادہ بھی ہو، ہرگز کچھ کام نہ آئے گی۔ اور خدائے تعالیٰ یقیناً مومنوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کے بعد حسب ذیل آیت ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ۝

ترجمہ۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا اور اس سے مت پھرو سنکر، اور ان جیسے مت بنو جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا

اور وہ سنتے نہیں"۔

ان آیات کے ملاحظہ سے آپ نے دیکھا ہو گا۔ کہ پہلے کفار کو تنبیہہ کی گئی اور کہا گیا کہ لڑائی سے باز آجاؤ۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ماننا لازمی ہے۔ اس کا نتیجہ آپ بھی دیکھیں گے کہ جنگ بدر کے ایک سال بعد کفار مکہ بہت بھاری تعداد میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور آتے ہی مدینہ کی چراگاہ پر قبضہ کر لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ کہ جنگ مدینہ کے اندر رہ کر کی جائے یا باہر نکل کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا منشا یہی تھا کہ جنگ مدینہ کے اندر رہ کر لڑی جائے۔ مگر چند پُر جوش مسلمانوں کے اصرار پر آخر یہی فیصلہ ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قلیل لشکر کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ مگر منافقین راستے ہی سے واپس چلے آئے۔ جس سے تعداد اور کم ہو گئی۔ کوہ احد پر جو مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ جنگ کا نقشہ قائم ہوا۔ حضور صلعم نے پچاس افراد پر مشتمل ایک دستہ کو جو تیر انداز تھے۔ ایک درہ پر فوج کی پشت کی جانب تھا اور جہاں سے خطرہ تھا کہ دشمن پشت سے حملہ آور نہ ہو۔ متعین فرمایا۔ اور یہ حکم دیا کہ خواہ ہم کو فتح ہو یا شکست وہ کسی صورت میں بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ کچھ دیر کی لڑائی کے بعد کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اگر وہ مسلمانوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ مسلمان ان کے تعاقب میں گئے۔ اس پر ان پچاس تیر اندازوں نے (جن خاص طور پر وہیں جمے رہنے کا حکم تھا۔) اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ اور تعاقب میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید جو اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوئے

تھے۔ یہ موقعہ پاکر پشت سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں کی منتشر فوج دونوں طرف سے گھر گئی، مسلمان تتر بتر ہونے لگے۔ حضور صلعم نے پکارا۔

الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ "آؤ میری طرف اللہ کے بندو! میں خدا کا رسول ہوں۔"

مسلمان اس طرف آنے لگے۔ اور دشمنوں کو بھی پتہ چل گیا کہ آپ کہاں ہیں۔ اس وجہ سے دشمنانِ اسلام نے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ حضورؐ کو بھی ایک زخم لگا اور آپ گر گئے۔ اس جنگ کا حال بالتفصیل سورہ آل عمران میں ہے۔ اور اسی دوران مسلمانوں نے خدا کا یہ پیغام سنا۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۵ ؎

ترجمہ۔ اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔"

اس پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:

"یہ آیات جنگ احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے۔ اور ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں ان کی آنکھوں کے سامنے مُثلہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اشقیا نے مجروح کر دیا تھا۔ اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے۔ اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی کہ۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ط

یعنی دیکھنا سختیوں سے گھبرا کر دشمنانِ خدا کے مقابلے میں نامرادی

اور سستی پاس نہ آنے پائے۔ پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہو کر بیٹھے رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو! آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کر حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے اور جانیں دے رہے ہو۔ اور یقینی و آخری فتح بھی تمہاری ہی ہے، انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستے پر مستقیم رہو۔ اور حق کے وعدے پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعتِ رسول اور جہاد فی سبیل سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔

اس ندائے آوازہ نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔ اور پژمردہ جسموں میں حیاتِ تازہ پھونک دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آچکے تھے۔ زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملے کی تاب نہ لا سکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگ گئے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ جنگ احد کے لئے مدینہ منورہ سے نکلنے سے پہلے رسولِ خدا نے اصحاب سے مشورہ کیا تھا۔ اور ان کے اس مشورے کا نتیجہ کس قدر تکلیف دہ نکلا۔ اس کے باوجود بھی حضور کو صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کا حکم ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی صحابہؓ کی غلطی کی معافی کا حکم آیا ہے۔ آیت یہ ہے۔

۸ - فبما رحمةٍ من الله لنت لهم ولو كنت فظًا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين ٥

ترجمہ۔ اللہ کی رحمت سے آپؐ نے ان کے لئے نرم دلی دکھائی ہے۔ اور اگر ہوتے آپؐ تند خو، سخت دل، تو لوگ متفرق ہو جاتے آپؐ کے پاس سے پس درگذر کیجئے ان سے، اور ان کے واسطے بخشش مانگیئے۔ اور ان سے مشورہ کیجئے کام میں۔ پھر جب قصد کر چکے آپؐ اس کام کے لئے تو بھروسہ کیجئے اللہ پر، اللہ تعالیٰ ایسے بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

یہ مشورہ کا امر آگے جاکر جنگِ احزاب میں کام آتا ہے۔ جسکو جنگِ خندق بھی کہتے ہیں۔

ولما را المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما ہ

ترجمہ ۔ اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں۔ بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے، اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے۔ اور ان میں اور بڑھ گیا ایمان اور اطاعت کرنا"۔

یہ جنگِ احزاب کا واقعہ ہے۔ اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ اور وہ اس طرح پر ہے۔ کہ ہجرت کے پانچویں سال یعنی جنگ احد کے دو سال بعد یہود (بنی نضیر) جو مدینے سے نکالے گئے تھے۔ ہر قوم میں پھرے اور ابھار ابھار کر قریش مکہ اور دیگر قبائلِ عرب کو مدینے پر چڑھا لائے۔ کم از کم بائیس ہزار کا لشکر تھا۔ یہود بنی قریظہ جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینے کے مشرقی جانب تھا۔ اور جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا۔ وہ بھی حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں کافی تعداد منافقوں کی تھی۔ جو عین وقت پہ جھوٹے حیلے بہانے بنا بنا کر میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ آخر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے جس طرف سے حملے کا اندیشہ تھا۔ خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا۔ ایک مہینے کے قریب دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ کیونکہ درمیان میں خندق حائل تھی۔ اس عرصے میں بہت سے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک آندھی بھیجی۔ جس سے ریت اور

سنگریزے اڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ کھانے پینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے، لشکر پریشان ہو گیا۔ اس پر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام فوجوں کی کمان تھی۔ کوچ کا حکم دیدیا۔ اور نامراد واپس چلے گئے۔

ایک معجزہ خندق کھودنے کے وقت آپؐ سے ظاہر ہوا۔ کہ خندق کھودتے وقت ایک پتھر ایسا نکلا جو صحابہ رضی اللہ عنہ کی انتہائی کوششوں کے باوجود نہ ٹوٹا جب آنحضرتؐ کو آگاہ کیا گیا، تو آپؐ تشریف لائے۔ اور کدال اپنے ہاتھ میں لیکر بسم اللہ کہہ کر مارا، تو اس سے ایک چمک پیدا ہوئی۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ کہ۔

"شام کے محل نظر آئے۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو یہ سلطنت عطا کرے گا۔"

پھر دوبارہ چوٹ مارنے سے ایک بجلی کی طرح چمک پیدا ہوئی۔ اور آپؐ نے پھر فرمایا۔ کہ۔

"مجھے ایران کا سفید محل نظر آیا۔ اور آپؐ نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ سلطنت ایران عطا فرمائے گا۔"

پھر تیسری مرتبہ چوٹ ماری تو وہ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور آپؐ نے بشارت دی اور فرمایا۔ کہ۔

"یمن کی سلطنت بھی فتح ہو گئی، اللہ تعالیٰ اسے بھی عطا فرمائے گا۔"

بیت المقدس کی فتح کے متعلق عام مشہور ہے کہ وہاں کے بڑے پادری نے مسلمانوں کو کہا تھا کہ اگر آپ کے خلیفہ یعنی عمرؓ خود تشریف لے آئیں۔ تو ہم انہیں پہچان کر بغیر لڑائی کے شہر کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں گے۔ اور عہد نامہ خود خلیفۂ وقت آ کر تحریر کرے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظم امیر المومنین خلیفۂ ثانی مدینہ منورہ سے بیت المقدس

خود تشریف لے گئے۔ اور وہاں جاکر بیت المقدس پہ قبضہ کیا۔ ایران اور شام بھی حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں فتح ہوئے۔ ۱۴ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ رستم قتل ہوگیا۔ یہ وہ لڑائی ہے جس کی خبر سننے کے لئے حضرت عمرؓ ہر روز مدینے سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز حضرت عمرؓ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شتر سوار آرہا ہے۔ اس سے انہوں نے جنگ کا حال پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ ایرانی فوجوں کو اللہ تعالیٰ نے شکست فاش دی ہے۔ حضرت عمرؓ پیدل شتر سوار کے ساتھ ساتھ جاتے تھے اور اس سے جنگ کے حالات پوچھتے تھے۔ جب اس شتر سوار نے مدینے کے پاس دیکھا کہ سب لوگ حضرت عمر کو سلام کرتے ہیں۔ اور انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔ تو اس نے کہا۔ اے امیر المومنین مجھے آپ نے یہ کیوں نہ بتایا، کہ آپ امیر المومنین عمرؓ ہیں۔ آپ نے جواب دیا یہی ٹھیک تھا۔ یہ ہے سادگی اس شخصیت کی جو اس وقت قیصر و کسریٰ سے زیادہ طاقتور تھا۔

رستم جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اپنی فوج کے ساتھ بہت سے ہاتھی بھی لایا تھا۔ مگر یہ تجویزیں اسکی کارگر نہ ہوئیں۔ آخر وہ میدانِ کارزار میں مارا گیا۔ رستم کے بعد ۲۱ و ۲۲ ھ میں یزدگرد ثالث شاہ ایران نے بہت فوج جمع کی اور مسلمانوں کے مقابلے میں آیا۔ مگر نہاوند کی لڑائی میں سخت شکست کھائی اور میدان چھوڑ کر اپنے ملک سے بھاگ گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد اگرچہ اسفندیار نے مسلمانوں کے ساتھ رے میں مقابلہ کیا۔ مگر اس کو بھی شکست ہوئی اور قیدی ہوگیا۔ یزدجرد اصفہان سے ہوتا ہوا بلخ جا پہنچا، اور وہاں سے مرو میں۔ آخر وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں اسی علاقے میں مارا گیا۔ جنگِ نہاوند کے بعد گویا ایران کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

اصحاب فیل کا ذکر قرآنِ کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔

الم ترکیف فعل ربّک باصحٰب الفیل ۝ الم یجعل کیدھم فی تضلیل ۝ وارسل علیھم طیرًا ابابیل ۝ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ۝ فجعلھم کعصف ماکول ۝

ترجمہ۔ کیا تونے نہ دیکھا۔ کیا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔ کیا نہیں کردیا ان کا داؤ غلط۔ اور بھیجے ان پہ اڑتے ہوئے جانور (ابابیل) ٹکڑیاں ٹکڑیاں، پھینکتے تھے ان پر کنکریاں پتھر کی۔ پھر کر ڈالا ان کو مانند بھُس کھائے ہوئے کے۔"

اصحاب فیل کا قصّہ مختصراً یہ ہے کہ شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن میں ایک حاکم ابرہہ تھا۔ سارا عرب حج کرنے کے لئے مکہ جاتا تھا۔ ابرہہ نے عیسائیت کے نام پر صنعا میں ایک عالیشان گرجا بنایا۔ تاکہ لوگ مکہ کو چھوڑ کر صنعاء میں آیا کریں۔ عربوں نے اسکی مخالفت کی۔ ابرہہ نے غصّہ میں آکر کعبہ شریف پر فوج کشی کردی۔ اور بھاری لشکر اور ہاتھی لیکر اس ارادے سے نکلا کہ کعبہ کو منہدم کردوں۔ مگر خدا کی قدرت سمندر کی طرف سے چھوٹے چھوٹے جانور گروہ در گروہ آئے۔ اور انہوں نے لشکر پر کنکریاں برسائیں۔ بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اور جو بھاگے وہ بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پچاس روز پہلے ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسی روز آپؐ کی ولادت ہوئی۔ یہ ایک آسمانی نشان آپؐ کی آمد کا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ عیسائیوں کو یہ موقعہ نہ ملے گا۔ کہ وہ کعبے کو منہدم کریں۔ دوسری بڑی طاقت۔ اس زمانے میں ایران کی تھی۔ جیسے کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بھی مسلمانوں کے بالمقابل اصحابِ فیل ہو کر نکلے تھے۔ انکی

کید یعنی تجویز یا داؤ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بعثت کے زمانے میں تباہ و برباد کر دیا اور وہ اس طرح پر ہے کہ از روئے اعدادِ ابجد :۔

ک کے ۲۰ ، ی کے ۱۰ ، د کے ۴ ، کل ۳۴ ہوئے یہ ہوئے قمری سال اور ان کے شمسی سال ہوئے ۳۴ - ۱ = ۳۳ چنانچہ نہاوند کی لڑائی ۲۱ھ مطابق ۶۴۲ء کے ہوئی ۔ یعنی ۳۳ + ۶۰۹ء = ۶۴۲ء (بعثت کے سال) (دیکھو صفحہ ۱۷۴)

RISE DECLINE AND FULL OF THE CALIPHATE By Sir W. N MUIR.

باقی رہا یمن کا معاملہ تو وہ پہلے کچھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید نے فتح کیا ۔ مگر شورش ہوتی ہی رہی ۔ آخر حضرت علیؓ کے زمانے میں اس کا خاتمہ ہوا ۔

اس غزوۂ احزاب سے پہلے جس میں متحدہ عرب قبائل بمعہ یہودیوں کے مدینے کی طرف حملہ آور ہوئے ، آنحضرت صلعم نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا ۔ چنانچہ جب یہ حملہ ہوا تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا جیسے کہ الاحزاب کی آیت سے جو اوپر نقل کی گئی ہے خود ظاہر ہے ، اسکو پھر یہاں پہ لکھا جاتا ہے ۔

ولما را المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ وصدق اللہ و رسولہ وما زادھم الا ایمانا و تسلیما ہ

جب دشمن ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے ۔ تو خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ جاء تکم جنود فارسلنا علیھم ریحا و جنودًا لم تروھا و کان اللّٰہ بما تعملون بصیرا ط

ترجمہ۔ مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا۔ تو ہمنے ان پر ہوا، اور ایسی فوجیں بھیجیں۔ جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ اور جو تم کر رہے تھے۔ خدا اس کو دیکھ رہا تھا۔"

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اب یہ دشمنانِ دین ہم پر اس طرح سے حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔ بلکہ ہمارا ہی غلبہ ان پر رہے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے اسکی تصدیق فرما دی۔

٦/١٢ - و من یتول اللّٰہ و رسولہ و الذین اٰمنوا فان حزب اللّٰہ ھم الغلبون ۝

ترجمہ۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت ہی سب پر غالب ہے۔"

سورۃ احزاب میں اس جنگ کے حالات کو اس طرح بیان کیا۔

و انزل الذین ظاھروھم من اھل الکتٰب من صیاصیھم و قذف فی قلوبھم الرعب فریقا تقتلون و تاسرون فریقا و اورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم و ارضا لم تطؤھا و کان اللّٰہ علیٰ کل شئ قدیرا ۝

ترجمہ۔ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں (بنی قریظہ) نے کفار کی مدد کی تھی، خدا ان کو ان کے قلعوں میں سے بے دخل کر کے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں تمہارا ایسا رعب بٹھا دیا۔ کہ تم ان کے کچھ لوگوں کو قتل کرنے لگے اور کچھ کو قید کرنے لگے۔ اور تم کو ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال کا اور ایک زمین کا جس پر تم نے قدم نہیں رکھے مالک بنا دیا۔ خدا تو ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔"

یہ وہ دوسری زمین جس کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ تم نے اس پر اپنے قدم بھی نہیں رکھے خیبر کی زمین مراد ہے۔ جو جنگ احزاب کے دو سال بعد مسلمانوں کو دی گئی۔

پہلے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عام لڑائی کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ اور اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کیا کہ کفار سراسیمہ اور پریشان ہو کر بھاگ گئے۔ اور پھر آگے ان یہود کا ذکر ہے جو مدینہ کی شرقی جانب رہتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ مگر جنگ احزاب کے موقعہ پر برخلاف معاہدہ کے وہ مشرکین مکہ کی مدد پر کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ مسلمان عورتوں پر بزدلانہ حملہ کرنا چاہا۔ مگر حضرت صفیہؓ نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔ جب کفار قریش عاجز ہو کر واپس لوٹ گئے۔ تو یہ بنی قریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلعم جنگ احزاب سے فارغ ہوئے تو غسل وغیرہ میں مشغول تھے۔ کہ حضرت جبرائیل تشریف لائے۔ اور کہا کہ "اللہ کا حکم ہے کہ بنی قریظہ پر حملہ کیا جائے"۔

چنانچہ لشکر اسلام نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر وہ تاب نہ لا سکے۔ انجام کار ان کی طرف سے بات یہ ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں۔ اور حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے تورات کے موافق فیصلہ کر دیا۔ جس سے کئی سو یہودی قتل ہو گئے۔ اور ان کے املاک و جائداد پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے متعلق یہودیوں کی تاریخ میں مزید بحث کی گئی ہے۔

یہ زمین جو مدینہ کے قریب تھی۔ حضور صلعم نے مہاجرین پر تقسیم کر دی

اور کہا کہ اور زمین بھی دلائیں گے۔ جس پہ تم نے ابھی قدم نہیں رکھے۔ وہ دوسری زمین خیبر کی زمین ہے۔ جو اس کے دو برس بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ جس کا ذکر یہودیوں کی تاریخ میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکے کی ہے۔ اور بعض نے تو فارس اور روم کی زمینیں بھی اس میں شامل کی ہیں۔ فتح خیبر اور فتح مکہ کا ذکر آگے آتا ہے۔

جنگ احزاب سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ عرب کی متفقہ قوت بھی اسلام کو تباہ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہر موقعہ پہ غیبی طاقت نے اسکی امداد کی۔ اور مسلمانوں کی امداد و تعداد روز بروز بڑھتی رہی۔ اس جنگ کے تقریباً ایک سال بعد جب حج قریب آیا۔ تو نبی کریمؐ نے رویا میں دیکھا کہ وہ مکہ میں امن و امان سے عمرہ کر رہے ہیں۔ آپ چودہ سو صحابہؓ کیساتھ ذلقعدہ سنہ ۶ھ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کوئی سامانِ جنگ ساتھ نہ لیا گیا۔ جب حدیبیہ کے مقام پہ پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پہ ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ حضور صلعم نے وہیں قیام کیا۔ قریش نے ادھر مجمع کرکے یہ فیصلہ کیا کہ حضور صلعم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

آخر قاصد دوڑنے لگے۔ مگر قریش نے عمرہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ تو حضرت عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر مکہ والوں کے پاس بھیجا گیا۔ کیونکہ ان کا مکہ میں اچھا رسوخ تھا۔ مگر قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ اور مشہور یہ ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ہتھیار بھی ساتھ نہ تھے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حفاظت پر یقین تھا۔ آپؐ نے اصحابؓ سے عہد لیا کہ اسلام کی حفاظت کے لئے جان کی پرواہ

نہ کریں گے۔ قریش کو جب یہ پتہ چلا۔ تو انہوں نے صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے اپنا سفیر بھیج دیا۔ آخر وہیں صلح نامہ تحریر ہوا۔ جس کی شرائط سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کر لی ہے۔ مگر اس میں بہت سی مصلحتیں مضمر تھیں۔ جن کو لوگ نہ جانتے تھے۔ ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان سنہ ۷ھ میں آکر عمرہ ادا کریں۔ واپسی پر سورۃ فتح نازل ہوئی۔ جو اس طرح سے شروع ہوئی۔

انا فتحنا لك فتحا مبينا ...... وينصرك الله نصرا عزيزا ۝

ترجمہ۔ تم کو ہم نے کھلی فتح دی اور مدد کی تیری اللہ تعالیٰ نے زبردست مدد۔

اور پھر آگے جا کر فرمایا۔

ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم ۝

ترجمہ۔ تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں۔ اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔"

اس کے بعد ان لوگوں کی نسبت جو آپ کے ہمراہ نہیں گئے تھے کہا کہ۔

سيقول لك المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا واهلونا فاستغفر لنا ج يقولون بالسنتهم ما ليس فى قلوبهم ۝

ترجمہ۔ اب کہیں گے پیچھے رہ جانے والے گنوار کہ ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے۔ سو ہمارا گناہ بخشوا! وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو ان کے دل میں نہیں ہے۔"

ان کی نسبت آگے جا کر کہا ہے کہ۔

سيقول المخلفون اذا انطلقتم الى مغانم لتاخذوها ذرونا نتبعكم

یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ
من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لایفقھون الا
قلیلاً قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس
شدید تقاتلونھم او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجراً حسناً
وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذاباً الیماً ہ

ترجمہ - اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے۔ جب چلو گے تم غنیمتیں لینے کو۔ کہ چھوڑ دو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ۔ وہ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا۔ تو کہدے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے۔ یونہی کہدیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے نہیں کہ تم تو جلتے ہو ہمارے فائدے سے۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔ کہدے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہ آئندہ تم بلائے جاؤ گے ایک قوم پر، بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے۔ یا وہ مسلمان ہوں گے۔ پھر اگر حکم مانو گے تو دیگا اللہ تعالیٰ تم کو بدلہ اچھا۔ اور اگر پلٹ جاؤ گے۔ جیسے کہ پلٹ گئے تھے پہلی بار تو دے گا اللہ تم کو ایک عذاب دردناک۔

اور پھر آگے جاکر فرمایا۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ نعلم
مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً ہ ومغانم
کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزاً حکیماً ہ وعدکم اللہ مغانم
کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہٖ وکف ایدی الناس منکم
ولتکون آیۃ للمؤمنین ویھدیکم صراطاً مستقیماً ہ واخریٰ لم
تقدروا علیھا قد احاط اللہ بھا وکان اللہ علی کل شیئ قدیراً ہ

ترجمہ - جس وقت مومنین تم سے درخت کے نیچے لڑنے مرنے کی بیعت کر رہے تھے - تو خدا ان سے اس بات پر ضرور خوش ہوا - غرض جو کچھ ان کے دلوں میں تھا - خدا نے اسے دیکھ لیا - پھر ان پر تسلی نازل فرمائی - اور انہیں ان کے عوض میں بہت جلد فتح عنایت کی - اور اس کے علاوہ بہت سی غنیمتیں بھی جو وہ حاصل کریں گے - (عطا فرمائیں)، اور خدا تعالیٰ تو زبردست حکمت والا ہے - خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا تھا - کہ تم ان پر قابض ہو گے - تو اس نے تمہیں یہ خیبر کی غنیمت جلدی سے دلوادی - اور (حدیبیہ سے) لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا - اور غرض یہ تھی کہ مومنین کے لئے قدرت کا نمونہ ہو - اور خدا تم کو سیدھی راہ پر لے چلے - اور دوسری (غنیمتیں بھی دیں)، جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے - اور خدا ہی ان پر حاوی تھا - اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے -"

اور آخری رکوع میں فرمایا -

لقد صدق اللّٰہ رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ اٰمنین محلقین رءوسکم ومقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحا قریبا ۝ ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللّٰہ شھیدا ۝

ترجمہ - اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسولؐ کے خواب کو - تحقیق کہ تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں - اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے - جو بات تم کو معلوم نہیں تھی - اس کو معلوم تھی - تو اس نے فتح مکہ سے پہلے ہی بہت

جلد فتح (خیبر) عطا کی۔ وہ وہی تو ہے کہ جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا۔ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور گواہی کے لئے تو بس خدا کافی ہے۔

اس سورۃ مبارک سے پہلے میں نے چند ایک آیات اوپر ذکر کر دی ہیں۔ ان سے حسب ذیل باتیں بطور پیشگوئی کے ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ اوّل یہ بتایا گیا کہ حضور صلعم کو اللہ تعالیٰ سے ایک زبردست مدد ملنے والی ہے۔ جس کا آگے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے بیعت کرنے سے خوش ہوا۔ اور ان کو ایک قریب ہی فتح دیدی۔ اور وہ یہ کہ مدینہ سے واپس ہو کر حضور کو خیبر پر چڑھائی کا حکم ہوا۔ جہاں غدار یہود آباد تھے۔ یہ بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کفار مکہ کو مدینہ منوّرہ پر چڑھا لائے تھے۔ چند دن کے بعد یہودیوں کے یہ قلعے فتح ہو گئے۔ جس کا مفصل ذکر سورۂ حشر میں ہے۔ اس کے تحت میں دو باتیں اور قابل ذکر ہیں۔

ا۔ کہ حضور صلعم کو بتایا گیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شامل نہیں تھے وہ کہیں گے کہ ہمکو بھی خیبر کی تسخیر کے واسطے جانے کے لئے اجازت دیجئے۔ تاکہ ان کو غنیمت کا مال ملے۔ لیکن ان کو اجازت مت دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ب۔ لیکن ساتھ ہی ان کو کہا گیا کہ تم کو اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ تم کو بڑی سخت قوم کے ساتھ لڑنے کے لئے بلایا جائے گا۔ جن سے تم لڑو گے۔ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اور یہ سخت قوم مسیلمہ کذّاب کی قوم، یا ہوازن کی قوم، یا فارس و روم اور کردستان کے رہنے والے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

۳ - یہ کہا کہ -

وأُخرىٰ لم تقدروا عليها قد أحاط الله بها ؕ

ترجمہ - اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہیں آئی۔ وہ اللہ کے قابو میں ہے۔"

یعنی فتح مکہ کہ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۴ - کہ تم لوگ انشاء اللہ بمصداق خواب آنحضرت صلعم کے بماہ ذیقعدہ مسجد الحرام میں داخل ہوگے - چنانچہ آئندہ سال ان لوگوں نے عمرہ ادا کیا اور صرف تین دن مکہ میں قیام رہا -

۵ - یہ کہا کہ صرف فتح خیبر یا فتح مکہ کیا چیز ہے ؟ بلکہ تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ ہوگا -

هو الذى ارسل رسوله بالهدىٰ ودين الحق ليظهره على الدين كله وكفىٰ بالله شهيدا ؕ

لیظہر سے مدت بھی بتادی - جس کا ذکر تاریخ کے حصہ میں آئے گا - اور ساتھ ہی واضح کردیا کہ وہ رسول کون ہیں ؟ یعنی محمدٌ رسول اللہ اور آپؐ کے اصحاب کی تعریف بھی فرمادی ۔ اس کا ذکر لفظ محمدؐ کے ذکرِ ارتقا میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا - حقانیتِ قرآن کا اس سے زیادہ بین ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے ؟

صلح حدیبیہ کے تقریباً پونے دوسال بعد مکہ والوں کی طرف سے عہد شکنی ہوئی - آنحضور صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کردی - ایک مسلمان حاطب ابن ابی بلتعہ نے اس کی خبر ایک عورت کی معرفت مکہ والوں کو پہنچانی چاہی، مگر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اسکی اطلاع دیدی - اور وہ

عورت راستے میں پکڑی گئی۔ جس کا ذکر سورۃ الممتحنہ میں ہے۔
لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار اس کو معاف کر دیا۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ تم ان لوگوں سے دوستی چاہتے ہو۔ جو تمہارے جانی دشمن ہیں۔ وغیرہ۔ لیکن بات جو مزیدار اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ارشاد ہوا۔:۔

عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ واللہ قدیر واللہ غفور رحیم

ترجمہ۔ امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں دوستی۔ اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نوٹ۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ کہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور دشمنانِ دین اس لشکرِ اسلام سے مرعوب ہو کر مغلوب ہو گئے۔ اور بغیر کسی لڑائی کے فتح ہو گئی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرمین کے گروہ سے پوچھا۔ کہ تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آج مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ "اخ کریم وابن اخ کریم! آپ کریم بھائی ہیں۔ اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معمول اپنے حسنِ اخلاق سے عام معافی دیدی۔ اور وہی کہا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ کہ لا تثریب علیکم الیوم! یعنی آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ تمام عرب پر حضور صلعم کی وفات سے پہلے اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ اور سب ایک ہی رشتہ میں منسلک ہو گئے۔

صلح حدیبیہ سے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف جانے سے چار پانچ ماہ پہلے یہ کام کیا تھا۔ کہ آپؐ نے تمام بادشاہوں کے نام جو آپ کے ارد گرد تھے۔ دعوتی خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ ایک خط حارث رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ حاکم بصرہ کے نام روانہ کیا۔ سرحد شام کے قریب مقام موتہ پر جب وہ پہنچے۔ تو وہاں کے حاکم شرجیل نے جو قیصر روم کی طرف سے اس علاقہ کا صوبیدار تھا۔ ان کو گرفتار کر لیا۔ اور بلا وجہ قتل کر دیا۔ آنحضرت صلعم نے اس سرکش غسانی سردار کی سرکوبی کے لئے مہم روانہ کی۔ جس کا سردار انہوں نے زید بن حارثہ کو بنایا۔ اور حکم دیا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ اس لشکر کے سردار ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ سردار لشکر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس کو لشکری پسند کریں اپنا سردار بنا لیں۔ جب لڑائی ہوئی تو اسی طرح ہوا۔ اور آخر مسلمانوں نے خالد بن ولیدؓ کو اپنا سردار مقرر کیا۔ جن کے ہاتھ پہ فتح ہوئی۔ اور ان کو سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا۔

نوٹ ۔ آپ کو یہ تو معلوم ہو گا۔ کہ تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے قرآن کریم میں صرف زیدؓ کا نام ہی آیا ہے۔ یہ زید بن حارثہؓ شریف عرب تھے۔ لیکن بچپن میں کسی ظالم نے ان کو پکڑ لیا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے خرید لیا۔ اور کچھ روز بعد حضور صلعم کو ھبہ کر دیا۔ جب یہ جوان ہوئے تو ایک تجارتی سفر کے دوران جب وہ اپنے آبائی وطن کے قریب سے گذرے تو وہاں ان کے رشتہ داروں کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لیکر ہمارے حوالے کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں

اگر تمہارے ساتھ وہ جانا چاہے تو بڑی خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا تو زیدؓ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلعم نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور وہ حضور صلعم کے متبنیٰ کہلائے جانے لگے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

اُدعوھم لاباۂھم ھواقسط عند اللّٰہ فان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم ط

ترجمہ۔ پکارو! لے پالکوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے۔ یہی پورا انصاف ہے۔ اللہ کے یہاں۔ پھر اگر نہیں جانتے ہو۔ ان کے باپوں کو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں۔

اسی وقت زید جو پہلے زید بن محمدؐ کہلاتے تھے۔ زید بن حارثہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ زید کا نام تو ان کے والد نے تجویز کیا ہوگا۔ مگر اس کو کیا خبر تھی کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی ہوں گے۔ اور ان کے نام سے ہی ان کی شہادت کی تاریخ نکلے گی۔ لفظِ زید کے اعداد ابجد کے لحاظ سے ۲۱ ہیں۔ یعنی ز کے ۷، ی کے ۱۰، اور د کے ۴ کُل ۲۱ ہوئے۔ اور حضرت زیدؓ نبوت کے اکیسویں سال یعنی ۸ھ میں شہید ہوئے۔

جس طرح صحابہ کرام میں سے صرف ایک صحابی حضرت زیدؓ کا نام قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے دشمنوں میں سے ایک بڑے دشمن ابی لہب کا نام بھی آیا ہے۔ جو اسطرح ہے۔

تبت ید ابی لھب وتب ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسبؕ سیصلیٰ ناراً ذات لھب وامراتہٗ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد ط

ترجمہ - ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اور وہ خود ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا نہ اسکی کمائی۔ وہ جلد بھڑکتی آگ میں پڑے گا۔ اس کی بیوی بھی ہلاک ہوئی۔ ایندھن ڈھوتی ہوئی گلے میں اس کے بٹی ہوئی رسی پڑی ہوگی۔

بعضوں نے تبت یدا کو جملہ دعائیہ کہا ہے۔ اور تب کی آیت کی بابت معلوم کیا کہ دعا قبول ہو چکی۔ لیکن مجھے ترجمہ بالا سے جو مولانا حمید الدین فراہی صاحب کی تفسیر سورہ لہب سے لیا گیا ہے۔ اتفاق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عبد العزیٰ اور اسکی بیوی حضورؐ کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ لیکن چونکہ وہ سرخ رنگ کا آدمی تھا۔ اور اس کے چہرے میں چمک دمک تھی اسلئے اسکی کنیت ابو لہب ہوگئی تھی۔ اور یہی نام اس کا مشہور تھا۔ اس کی دشمنی کے واقعات مشہور ہیں۔ اسلئے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب اسکی دشمنی حد سے گذر گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسکی تباہی کی ان آیات میں خبر دی۔

واقعہ اس طرح ہوا ہے۔ کہ جب جنگ بدر ہونے کو تھا۔ تو یہ شخص خود نہیں گیا۔ بلکہ اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ عاص پر ابولہب کے چار ہزار درم قرض تھے۔ اور وہ تنگدستی کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے قاصر تھا۔ ابولہب نے روپیہ ڈوب جانے کے اندیشہ سے عاص کی جان اُن کے عوض خرید لی اور اسے اپنا قائم مقام بنا کر میدانِ بدر میں بھیجا، عرب اعوان والنصار کو یدے کہتے ہیں۔ جنگِ بدر کے بعد جس میں اس کے بہت سے ساتھی اور مددگار (اعوان)، مارے گئے اور باقی واپس آئے تو۔ ابولہب نے ابوسفیان سے جنگ کے حالات پوچھے۔ اور اس نے بتایا کہ ہم پر ہول اور خوف طاری ہے

اور آسمان اور زمین میں کچھ ابلق گھوڑوں پر سوار نظر آئے۔ اس کے بعد اہلِ مدینہ نے جسکو چاہا قتل کیا۔ اور جسکو چاہا باندھ لیا۔ ابو رافع نے جو حضرت عباسؓ کا غلام تھا کہا کہ یہ ابلق سوار فرشتے تھے۔ اس پر ابو لہب جل گیا۔ اور اس کو اٹھا کر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ کر مارنے لگا۔ اس کے ساتویں روز ابو لہب کو چیچک نکلی اور اس کے بیٹوں نے اس بیماری کی وجہ سے کنارا کیا۔ اور وہ مر گیا۔ کسی نے بھی اسکو نہ اٹھایا۔ حتیٰ کہ اس کا جسم سڑ گیا۔ اور وہی کوٹھڑی اس پر گرادی گئی۔ اس کی اپنی موت اور اس کے بڑے مددگاروں کی موت کی تاریخ بھی لفظِ یدا میں بیان فرمادی۔ لفظِ یدا کے اعداد بحساب ابجد مندرجہ ذیل ہیں۔

ی کے ۱۰، د کے ۴، اور الف کا ایک کُل ۱۵ عدد ہوئے۔ جن کے مطابق ٹھیک پندرھویں سالِ نبوت میں ہوئی۔ کیونکہ جنگ بدر ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ اور ۱۳ سال بعثت کے مکی زندگی کے ملا کر ۱۵ سال ہوئے۔ چنانچہ بعثتِ نبوی کا یہ پندرھواں جنگ بدر کا سال نہایت اہم ہے جس میں ابو جہل اور ابو لہب دو مشہور دشمنانِ اسلام ہلاک ہوگئے۔ اسلئے معرکۂ بدر تاریخ اسلام میں سب سے عظیم الشان معرکہ ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تاریخیں دی گئی ہیں اب یہ پیشگوئی اس طرح سے پوری ہوئی۔

۱ - ابو لہب مقابلے سے عاجز رہا۔ اس نے اپنی تلوار نہیں اٹھائی۔ اور میدان میں آنے سے گریز کیا۔

۲ - اس کے اکثر اعوان قتل ہوئے۔

۳ - ابو لہب کا مال اس کے کام نہ آیا۔ کیونکہ اس نے ایک شخص کو میدانِ جنگ میں جانے کے لئے خریدا۔ تاکہ اپنی جان بچائے جائے۔ لیکن لیکن وہ اپنے

کو موت سے نہ بچا سکا۔

۴ - قوت اور شوکت کی بربادی کے ساتھ وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔

۵ - چونکہ وہ حسد کے مارے دل میں حضورؐ کی ترقی سے جلتا تھا۔ احکم الحاکمین نے دنیا میں بھی اسکو ویسی ہی سزا دی، عاقبت میں تو وہ ضرور نارِ جہنم کا لقمہ ہو گا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ انسان آخرت میں اپنے عمل کے مطابق جزا سزا پائے گا۔ اسی لئے اس کا ذکر اس کی کنیت سے ہوا۔ اور اسی لئے قرآنی الفاظ

سیصلیٰ ناراً ذات لھب ؕ

ترجمہ۔ جلد بھڑکتی آگ میں پڑے گا۔

نہایت ہی موزوں ہیں۔ اور ساتھ ہی خوبی یہ ہے کہ اس واقعہ کی تاریخ بھی لفظ یدا میں بتا دی۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جنگ موتہ میں حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے اور خالدؓ کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے غسانی بادشاہ نے ایک بڑا لشکر جمع کیا۔ اور ہرقل شاہ روم سے امداد طلب کی جس نے چالیس ہزار آدمی بھیجے۔ اور خود بھی ان کے پیچھے آنے کا قصد کیا۔ غرضیکہ سرحد شام پر عیسائی فوجوں کا اجتماع ہوا۔ اور مدینہ پر حملہ ہونے کی خبریں آنی شروع ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائی حملے کو سرحد شام پر ہی روکنا مناسب سمجھا۔ آپؐ نے عام طور پر قبائل کو اطلاع دی کہ ہرقل کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکرِ اسلام میں آکر شریک ہو جاؤ۔ اگرچہ موسم گرما کی فصلیں تیار تھیں۔ اور منافقین نے بھی حسب عادت رخنہ اندازی کی۔ پھر بھی تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

جب لشکرِ اسلام چشمۂ تبوک سرحد شام پر پہنچ گیا۔ تو وہاں پر قیام کیا

ہرقل یہ خبر پاکر ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ عیسائی لشکر اور غسانی بادشاہ بھی لشکر اسلام کی خبر پاکر اِدھر اُدھر چلے گئے۔ اور قرب وجوار کے عیسائی حاکموں نے جزیہ ادا کرنے پر صلح کر لی۔ اس سفر کا مفصل حال سورۃ التوبہ میں آیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کا حکم ہے۔

۹/۲ - قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ۵

ترجمہ۔ لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ تعالیٰ نے۔ اور اس کے رسولؐ نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا۔ ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔"

پھر آگے جا کر فرمایا۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکٰفرون ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ط

ترجمہ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے پھونک مار کر اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ اور اللہ کا اس کے سوا کوئی ارادہ ہی نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے۔ اگرچہ کفار بُرا مانا کریں۔ اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر۔ تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر۔ اگرچہ بُرا مانیں مشرک۔"

نوٹ۔ قرآن کریم کو بھی نور کہا گیا ہے ۹/۹ میں آیا ہے کہ۔

۹/۹ - فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی

انزل معه اولٰئک هم المفلحون ۵

ترجمہ ۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسکی رفاقت کی اور اس کی رفاقت کی اور اسکی مدد کی اور تابع ہوئے، اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے ۔ وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو ۔

اور پھر سورۃ النور میں صاف فرما دیا تھا کہ ۔

۱۸/۱۳ ۔ وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولٰئک ھم الفسقون ۵ و اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون ۵ لا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض وماوٰھم النار ولبئس المصیر ۵

ترجمہ ۔ اے ایمان والو تم میں سے جس نے ایمان قبول کیا ۔ اور نیک عمل کیا ۔ ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے ۔ کہ ان کو روئے زمین پر خلیفہ (نائب) مقرر کرے گا ۔ جس طرح ان لوگوں کو خلیفہ (نائب) بنایا ۔ جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں ۔ اور جس دین (اسلام) کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے ۔ اس پر انہیں پوری قدرت دے گا ۔ اور ان کے خائف ہونے کے بعد ان کے خوف وہراس کو امن سے بدل دے گا کہ وہ اطمینان سے میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں بنائیں گے ۔ اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ بدکار ہیں ۔ اور (اے ایمان والو) نماز کی پابندی کرو ۔ اور زکوٰۃ دیا کرو اور (دل سے) رسولؐ کی اطاعت کرو ۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔ (اے رسول) تم یہ خیال نہ کرو کہ کفار اِدھر اُدھر زمین میں پھیل کر ہمیں عاجز کر دیں گے (یہ خود

عاجز ہو جائیں گے) اور ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے۔ اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہے۔
مولانا شبیر احمد صاحب نے اپنے حاشیہ قرآن میں حسب ذیل نوٹ دیا ہے کہ جو یہ خطاب فرمایا ہے کہ حضرتؐ کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو اُن میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع تھے۔ رسولؐ کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا۔ اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے۔ اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں قائم کرے گا۔ گو یا جیسا کہ لفظِ استخلاف میں اشارہ ہے۔ وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے۔ اور دینِ حق کی بنیادیں جمائیں گے۔ اور خشکی و تری میں اس کا سکہ بٹھائیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ اور کامل اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ اور دنیا میں امن و امان کا دَور دَورہ ہوگا۔ ان مقبول و معزز بندوں کی شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے۔ جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر ہی کیا، شرک خفی کی بھی ان کو ہوا تک نہ پہنچے گی۔ وہ صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے۔ اسی سے ڈریں گے۔ اور اسی سے امید رکھیں گے۔ اسی پر بھروسہ کریں گے۔ اسی کی رضا میں ان کا مرنا اور جینا ہو گا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ اور نہ دوسرے کی خوشی و ناخوشی کی پرواہ کریں گے۔ الحمدللہ کہ یہ وعدہ بھی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشگوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

اس کے متعلق تاریخ اسلام میں بھی وعدۂ خلافت کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ اور قرآنی الفاظ سے تاریخیں بھی دی گئی ہیں۔

فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کا اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ برابر جاری رہا ۵ ذیقعدہ ۱۰ھ کو حضور صلعم مدینہ منورہ سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے آپ نے حج ادا کیا۔ اور لوگوں کو حج کے طریقے بتلائے، جبل عرفات پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد ہر قسم کی نصیحت فرمائی۔ اور کہا کہ جب تک تم کتاب و سنت پر عمل کرو گے۔ گمراہ نہ ہو گے۔ آپ نے پہلے فرما دیا تھا کہ میں آئندہ سال کے بعد تم سے اس مقام پر ملنے کی امید نہیں رکھتا۔ آپ نے اس خطبہ میں اس طرح کلمات فرمائے۔ جیسے کوئی کسی سے وداع ہوتا ہے۔ یا وداع کرتا ہے۔ اسلئے اس حج کا نام حجۃ الوداع مشہور ہوا۔ ابھی آنحضرت صلعم مکہ میں ہی تشریف رکھتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی ؎ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناہ

ترجمہ۔ آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا۔ اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا، پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام۔

بھانپنے والے بھانپ گئے کہ جب تکمیل دین ہو گئی۔ تو نبی صلعم کی رحلت کا وقت قریب ہے۔ آخر ماہ صفر کے آخری ایام میں رسول اللہ صلعم بخار سے بیمار ہو گئے اور بماہ ربیع الاول ۱۱ھ کو اس دار فانی سے آپ نے انتقال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

جب حضور مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو کفار عرب جوق در جوق خدمت خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ اور اسلام قبول کرنے لگے۔ آخر مدینہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ

انہ کان توابا ہ

ترجمہ ۔ جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فتح اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں دین میں فوج در فوج ۔ تو پاکی بول اپنے رب کی حمد کے ساتھ ۔ اور گناہ بخشوا اس سے ۔ بلاشک وہ معاف کرنے والا ہے ۔"

یعنی سمجھ لیجئے کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں آنے کا (جو تکمیلِ دین و تمہید خلافتِ کبریٰ ہے) پورا ہوا ۔ اب سفر آخرت قریب ہے ۔ اِدھر سے فارغ ہو کر ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیے ۔ اور اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے استغفار کیجئے

یہ سورۃ آخری عمر میں نازل ہوئی ۔ آنحضرت اور صحابہ نے جان لیا کہ جو کام دنیا میں کرنا تھا ۔ وہ ہو چکا ۔ اب سفرِ آخرت قریب ہے ۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سورۃ سنی تو آپ رو پڑے ۔ دریافت کرنے پر آپؓ نے فرمایا ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں جو کام تھا ۔ وہ ختم ہو چکا ہے ۔ اور یہ سفرِ آخرت کی اطلاع ہے ۔

جہاد کے متعلق مولانا شبلی مرحوم سیرۃ النبی میں فرماتے ہیں :-

اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے ۔ اس قدر پاک اور منزہ کر دیا کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی ۔ جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلوموں کو ظلم سے بچائے ۔ جابر اور ظالم لوگ کمزور آدمیوں پر دستِ ستم دراز نہ کرنے پائیں

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر ۛ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ

ترجمہ ۔ جن لوگوں سے لوگ لڑائی کرتے ہیں ان کو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم کیا گیا ۔ اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے ۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے صرف اس بنا پر نکال دیئے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب

اللہ ہے۔ ملک میں جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رہتا تھا۔ اور لوگ امن وامان سے بسر نہیں کر سکتے تھے۔ جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کر دے۔ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنہ ۔

سورۃ انفال ۔

ترجمہ ۔ اور ان سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے ۔

جو لوگ اللہ پر اور جزا و سزا پر اعتقاد نہیں رکھتے ۔ اور اس وجہ سے ان کے نزدیک ہر قسم کے ظلم و ستم جائز تھے ۔ اور ان کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی ۔ جہاد سے ان کا زیر کرنا ۔ اور ان لوگوں کو ان کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا ۔

قاتلوا الذین لایومنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہٗ ہ

ترجمہ ۔ ان لوگوں سے لڑو جو نہ اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ قیامت پر اور جن کاموں کو اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہے ۔ اس کو حرام نہیں سمجھتے ۔

جہاد میں فتح پانے اور زمین پر قبضہ کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا ۔ کہ فاتح دولت و مال اور حکومت کا لطف اٹھائیں ۔ بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگوں کو عبادت وریاضت اور فقراء کی دستگیری کی تلقین کریں ۔ اور اچھی باتیں پھیلائیں اور بُرے کاموں سے لوگوں کو روک دیں ۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ہ

ترجمہ ۔ وہ لوگ کہ اگر ان کو زمین پر قبضہ دیں تو وہ نماز کے پابند ہوں گے ، زکوٰۃ ادا کریں گے ۔ اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے

رو کیں گے۔

کسی ملک کی فتح سے جو دولت یا مال ہاتھ آتا تھا وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا جسکو وہ اپنے مصارف عیش میں استعمال کرتا تھا۔ اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے۔ لیکن قرآن نے اس کا مصرف یہ قرار دیا ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان اللہ خمسہٗ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ۵

ترجمہ۔ جان کہ تم کو جو کچھ مالِ غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔ اور رسول کا، اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔ جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا۔ مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہیں۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ۵

ترجمہ۔ مسلمانوں! جب کسی گروہ سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو۔ اور بار بار اللہ کو یاد کرتے رہو۔ تاکہ تم کامیاب رہو۔

دوسری جگہ مولانا لکھتے ہیں۔ جنگ افعالِ انسانی کا بدترین منظر ہے اور عرب کی جنگ تو ظلم و توحش، قساوت، سفاکی، بیدردی۔ اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی۔ لیکن یہ اعجازِ نبوت ہے۔ کہ یہ چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرضِ انسانی بن گئی۔ اس بات سے قطعاً روک دیا کہ عورتیں، بوڑھے، بچے، صغیر السن، نوکر، خادم۔ لڑائیوں میں قتل کئے

جائیں۔ (صحیح مسلم باب الجہاد)

غزوات میں بھی کبھی کسی عورت کی لاش آپؐ کی نظر سے گذرتی تو آپؐ نہایت سختی سے منع فرماتے۔ اسلام سے قبل معمول تھا۔ کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بناتے، یا تلوار سے قتل کرتے عربی میں اس طریقہ کو صبر کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جائے۔ ہر حال میں اس کی پابندی کی جائے۔

نوٹ۔ اس کی ایک ہی مثال کافی ہوگی۔ صلح حدیبیہ میں جب ابو جندلؓ پابہ زنجیر آئے۔ اور بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھ کو قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں! لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر آئے گا۔ تو قریش کے پاس بھیج دیں گے۔ اس پہ ابو جندلؓ نے رو کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا۔ لوگ جوش رقت سے بیقرار ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار جاتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا۔ لیکن پابندئ عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی۔ ابو جندل کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ نہایت برا سلوک کرتے تھے۔ اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کی نسبت تاکید کی کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ اسیرانِ بدر کو جب آپؐ نے صحابہؓ کے حوالے کیا۔ تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر اوقات کرتے اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے۔ قرآنِ مجید میں جہاں خدا تعالیٰ نے بندگان خاص کے اوصاف بتائے

ہیں وہاں فرمایا ہے۔

ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً ۵

ترجمہ۔ اور یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسکو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

یہ امر لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوا۔ بار بار دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجتے تھے۔ اور ان کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ۔ لا اجر لہ یعنی اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ تب لوگوں کو یقین آیا۔

قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت متاع دنیوی کا لفظ آیا ہے۔ اور اسکی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی۔ جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کر دی۔ یا بقول بعض مفسرین فدیہ خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری۔

یریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاٰخرۃ ۵

ترجمہ۔ تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو۔ اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔

جنگ احد میں جب اس بنا پر مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تو کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت میں مصروف ہو گئے۔ تو یہ آیت اتری۔

منکم من یرید الدنیا و منکم یرید الاٰخرۃ ۵

ترجمہ۔ تم سے کچھ لوگ دنیا کے طلب گار تھے۔ کچھ آخرت کے۔

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین میں جو ۸ھ میں واقعہ ہوا تھا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے کو زیادہ تصریح سے بیان فرماتے تھے۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ۔ کوئی شخص غنیمت کے لئے، کوئی نام کے لئے، اور کوئی اظہارِ شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے۔ تو کس کا جہاد اللہ کی راہ میں سمجھا جائے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا ٥

ترجمہ۔ جو شخص اسلئے لڑتا ہے کہ خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت کی خواہش جو سب سے محبوب چیز تھی دلوں سے نکل گئی۔ اور جہاد سے صرف اعلائے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

عباد الرحمٰن کی ایک صفت یہ ہے۔

۱۹/۴ - ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ٥

ترجمہ۔ وہ کسی جان کو ناحق نہیں مارتے۔

جس دین میں ایسے احکام موجود ہیں۔ کیا وہ دین کسی کے ناحق قتل کا حکم دے سکتا ہے۔ یا ایسے امور کی سرپرستی کر سکتا ہے۔ جن سے شر پیدا ہو۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان سے کبھی ایسا فعل سرزد ہو۔ یا پیچھے ہوا ہو۔ تو اس فعل کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ دین سے اس فعل کا کوئی تعلق نہیں۔

اس کے بالمقابل تورات کی کتاب استثنائ کے باب فقرہ ۔ لغائت ۱۷ کے

احکام ملاحظہ فرمائیے۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے۔ تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے۔ اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے۔ تو وہاں کے سب باشندے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں۔ اگر وہ صلح نہ کرے۔ بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے۔ تو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے۔ تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار کے گھاٹ اتار دینا۔ یعنی قتل کر دینا۔ لیکن عورتوں اور بچوں اور چوپائیوں۔ اور شخص کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا۔ اور تو دشمن کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو، کھانا۔ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا۔ جو تجھ سے بہت دور ہوں۔ اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں۔ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے۔ کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔

اب یجروید کے چند احکام ملاحظہ ہوں۔ جو رسالہ وید سوامی دیانند میں سے نقل کئے گئے ہیں۔

۱۔ ہم لوگ جس سے دشمنی کریں۔ اور جو ہم سے دشمنی کرے۔ اس کو ہم شیر کے منہ میں ڈال دیں۔ (یجروید ۱۹/۱۵)

۲۔ جس سے ہم دویش کرتے ہیں۔ یا جو ہم سے دویش کرتا ہے۔ اس کو ہم ہوا اور پانی کے دکھ دینے والے گن روپی منہ میں ڈال دیں۔ (یجروید ۱۹/۱۵)

۳۔ ہم لوگ جس ڈشٹ سے دویش کرتے ہیں۔ یا جو ہم سے دویش کرے۔ اس کو ہم لوگ خونخوار جانوروں کے منہ میں ڈال دیں۔ (یجروید ۱۹/۱۵)

۴۔ جن سے ہملوگ نفرت کرتے ہیں۔ یا جن کو ہم ناراض کرتے ہیں۔ یا جو ہم کو دکھ دیتے ہیں۔ ان کو ہم ان ہواؤں کے منہ میں ڈال کر اس طرح دکھ دیں جس طرح بلی

کے منہ میں چوہا۔ (یجرویدہ ۶۵ - ۶۶)

۵ - اتیج دھاری ودھوان پرش آپ تیز رو دشمن کے کھانے پینے یا دیگر کام کاج کے مقامات کو اچھی طرح اجاڑیں اور ان کو اپنی طاقت سے ماریں۔ (یجروید ۱۳/۱۳)

۶ - جس ایذا رساں شخص کی ہم لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ یا جو ایذا دینے والا ہم سے دشمنی کرتا ہے۔ اس کو ہم شیر وغیرہ کے منہ میں ڈال دیں۔ (یجروید ۱۵/۱۵)

۷ - جس ڈشٹ سے ہملوگ دویش کرتے ہیں۔ یا جو ڈشٹ ہم سے دویش کریں۔ ہم اس کو ہواؤں سے ہلاک کریں۔ (یجروید ۱۵/۱۶)

۸ - اے راج پرش آپ دھرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلا ڈالیں۔ اے جاہ و جلال والے پرش وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے۔ آپ اس کو اُلٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی طرح جلائیں۔ (یجروید ۱۳/۱۲)

۹ - اے طاقتور اور روشن ضمیر عالم انسان جس طرح ہملوگ روز کھوئے سبھاؤں والوں کو آگ کی مانند مارنے والے تجھ خوبصورت ودوان کو سب طرح سے دھارن کریں۔ (یجروید ۲۶/۱۱)

قرآنی احکام اور جو احکام اوپر درج کئے گئے ہیں ان کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور عبرت حاصل کریں۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور صلعم کی زندگی یتیمی سے شروع ہوئی، مگر وفات کے وقت آپؐ عرب کے حکمران تھے۔ آپؐ کی فرمانروائی کی یہ حالت تھی کہ وفات سے پہلے کی زرہ تیس درم میں ایک یہودی کے پاس گرو دی تھی۔ اس کو چھڑا نہ سکے

کیونکہ جو مال آتا تھا اسے آپؐ اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔ آپؐ نے ترکہ میں تلوار، زرہ، ایک خچر اور تھوڑی سی زمین چھوڑی تھی۔ ان چیزوں کی نسبت بھی ارشاد تھا۔ کہ خیرات کر دی جائیں۔ یہ حکومت کسی ذاتی غرض کے لیئے نہیں تھی، آپؐ نے اسلام کو عملی صورت میں پیش کر کے دنیا کو یہ بتانا تھا۔ کہ انسان کو یتیمی، مسکینی۔ تونگری، بادشاہت، ملک گیری یا سپاہ گری میں کن اخلاق کے ماتحت زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے، اور چونکہ ان کو حکم تھا کہ۔

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا ہ

ترجمہ۔ تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف"۔

اس لئے حضور صلعم نے تمام دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ کی مثالیں قائم کر دیں۔

اور اس لئے وہ رحمۃ للعالمین کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے۔ اور قرآن جو ان پر نازل ہوا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ذکریٰ للعلمین ط کہا ہے۔ یعنی تمام دنیا کے لئے نصیحت ہے۔

جو حالات اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلعم کی یہ بے نظیر کامیابی سوائے خاص امداد الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی کے حالات غور سے دیکھے جائیں۔ تو ان کی ساری زندگی ایک معجزہ نظر آتی ہے۔ اس پر بھی بعض معترضین یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو معجزات حضور صلعم کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ فرضی ہیں۔ حالانکہ شہادت کی رو سے کسی امر کو ثابت کرنے کے لئے کہیں اس سے بہتر معتبر شہادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ معترضین کا انحصار سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۹۰ تا ۹۳ پر ہے۔ جو بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اور وہ آیات یہ ہیں:۔

وقالوا لن نومن لك حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھٰر خللھا تفجیرا ؕ
اوتسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تأتی باللہ والملٰئکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔

ترجمہ۔ اے رسول! کفار مکہ نے تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہا نکالو گے۔ ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے (یا یہ نہیں تو) کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو، اور اس میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھا دو۔ یا جیسا تم گمان رکھتے ہو۔ ہم پہ آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو۔ خدا اور فرشتوں کو اپنے قول کی تصدیق میں ہمارے سامنے گواہی میں لا کھڑا کرو۔ یا تمہارے رہنے کے لئے سونے کا کوئی مکان ہو یا تم آسمان پہ چڑھ جاؤ۔ اور جب تک تم ہم پر ایک کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم خود اس سے پڑھ بھی لیں۔ اس وقت تک ہم تمہارے آسمان پہ چڑھنے کے قائل بھی نہیں ہوں گے۔ تم کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی پیغمبر کے سوا کیا ہوں۔"

اعتراض کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس سے پہلی آیت میں کیا ذکر ہے

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ۝

ترجمہ۔ کہہ کہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پہ کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن۔ اگرچہ مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔"

دوسرے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس سورہ کی پہلی ہی آیت پہ توجہ

کی جاتی - تو یہ اعتراض کبھی بھی نہ کئے جاتے -

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حولہ لنریہٗ من اٰیٰتنا انہٗ ھو السمیع البصیر

ترجمہ - وہ ذات (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے - جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی - جس کے چوگرد ہم نے ہر قسم کی برکت مہیا کر رکھی ہے - تاکہ ہم اسکو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں - اس میں شک نہیں کہ وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے "۔

مکہ سے بیت المقدس تک سفر کو اسرا اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کو معراج کہتے ہیں - (دیکھو اس کی تفصیل رسالۂ احقر بنام تحفۂ معراج شریف)

جب کفار نے بیت المقدس تک جانے کے شکوک ظاہر کئے - تو حضور صلعم نے بتایا کہ انہوں نے راستے میں مکہ کے فلاں قافلہ کو دیکھا تھا - جس کی بعد ازاں تصدیق ہوئی - دوسرے کفار نے بیت المقدس کے حالات کی نسبت پوچھا تو حدیثوں میں آیا ہے - کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بیت المقدس کا نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے کر دیا - جس سے اس کا پورا پورا حال بتایا گیا - اور اس طرح دشمن ذلیل و خوار ہوئے - اور بعض ان میں سے ایمان لائے -

ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول خدا صلعم کی سچائی کی چند نشانیاں ان کو دکھا دی گئی تھیں - لیکن وہ اس پر بھی ایمان نہ لائے - فرمائشی نشانیوں کے ظاہر ہونے پر تو وہ کیا ایمان لاتے - اور اکثر ایسے نشانات کے پورا ہونے پر جب کفار ایمان نہیں لائے - تو اس کی سزا میں عذاب آتا رہا - یہاں بھی عادت اللہ کے

مطابق ایسا ہی ہوتا جو شان رحمۃ للعالمینی اور مصلحتِ خداوندی کے خلاف تھا۔ ایسے سوالات کفار کی طرف سے ایمان لانے کے لئے نہیں۔ بلکہ ازراہِ تمسخر کئے جاتے تھے۔

فرمائشی معجزوں کا سوال موسیٰ علیہ السلام سے سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ۹۰ لغایت ۹۳ میں آیا ہے۔ اور آگے آیت ۱۰۱ لغایت ۱۰۳ میں یوں ہے۔

ولقد اٰتینا موسیٰ تسع اٰیاتٍ بینٰتٍ فسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم فقال له فرعون انی لاظنك یموسیٰ مسحوراo قال لقد علمت ما انزل ھؤلاء الا رب السمٰوٰت والارض بصائر وانی لاظنك یفرعون مثبوراo فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقنٰه ومن معه جمیعاo

ترجمہ۔ اور ہم نے یقیناً موسیٰؑ کو کھلے ہوئے نو معجزے عطا کئے۔ (اس کی تفصیل دیکھو سورۃ الاعراف ۹/۱۶ میں) تو (اے رسولؐ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو۔ کہ جب موسیٰ ان کے پاس آئے۔ تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم یہ ضرور جانتے ہو کہ یہ معجزے سارے زمین و آسمان کے پروردگار نے نازل کئے سوجھنے کے لئے۔ اور اے فرعون میں تو خیال کرتا ہوں کہ تم پر شامت آنیوالی ہے۔"

"پھر فرعون نے یہ ٹھان لیا کہ بنی اسرائیل کو سرزمینِ مصر سے نکال باہر کرے۔ تو ہم نے فرعون اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے۔ سب کو ڈبو دیا۔"

آگے آتا ہے۔

وبالحق انزلنٰه وبالحق نزل وقراٰنا فرقنٰه لتقراه علی الناس علیٰ مکث ونزلنٰه تنزیلاo قل اٰمنوا به اولا تومنوا ان الذین

اوتوا العلم من قبلہٖ اذا یتلیٰ علیھم یخرون للاذقان سجدًا
ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولاً ط

ترجمہ - اور ہم نے اس قرآن کو بالکل ٹھیک نازل کیا۔ اور وہ بالکل ٹھیک نازل ہوا - (یعنی جس طرح خدا نے نازل کیا - اسی طرح بلا کم و کاست رسول کے پاس پہنچا دیا) اور اے رسولؐ ہم نے تو تجھ کو (جنت) کی خوشخبری دینے والا - اور عذاب سے ڈرانے والا رسول بنا کر بھیجا تھا اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے نازل کیا کہ تم لوگوں کے سامنے (حسب ضرورت) مہلت دے دیکر اس کو پڑھ دیا کرو - اور اسی وجہ سے) ہم نے اس کو رفتہ رفتہ نازل کیا۔ تم کہہ دو کہ خواہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ - اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں کو اس سے قبل ہی (آسمانی کتابوں کا) علم عطا کیا گیا ہے۔ ان کے سامنے جب یہ پڑھا جاتا ہے۔ تو منہ کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار (ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے - بیشک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا"۔

مراد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے - اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کو فرمائشی معجزوں کے پورا ہونے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ فرمائشی معجزوں کے دکھانے سے حضرت عیسیٰؑ نے بھی انکار کیا۔ دیکھو متی باب ۱۲ آیت ۳۸ لغایت ۴۰ میں ہے کہ -

"اُس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے اس سے کہا۔ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں - اس نے جواب دیکر ان سے کہا۔ اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوحنا نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان نہ ان کو دیا جائیگا۔"

فرمائشی معجزہ کی نسبت کئی طرح سے قرآنِ کریم میں جواب دیا گیا ہے۔ مثلاً ۶/۹ میں آیا ہے۔

وان یروا کل آیة لا یومنوا بها

ترجمہ۔ اگر وہ ساری (خدائی کے) معجزات بھی دیکھ لیں۔ تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔"

۶/۱۰ میں اس پر مزید بحث کی گئی ہے۔ آخر کہا۔

وقالوا لولا نزل علیه آیة من ربه قل ان الله قادرٌ علیٰ ان ینزل آیة ولکن اکثرهم لا یعلمون ۝

ترجمہ۔ اور کفار کہتے ہیں کہ آخر اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ تو تم (ان سے) کہہ دو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر قادر ہے۔ مگر ان میں کے اکثر لوگ (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے۔"

فرمائشی معجزات کی درخواست کو پورا کرنا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ بہمہ وجوہ ایمان لانے پر مجبور کر دیں۔ اس سے انسان کی فکر و کسب کی فطری آزادی سلب ہو جائے گی۔ اور اگر وہ معجزات بہمہ وجوہ مجبور کن نہ ہوں تو پھر ان میں وہی شکوک و شبہات پیدا کر لئے جائیں گے۔ اس کو ۶/۱۹ میں اور زیادہ واضح کیا ہے۔ واقسموا بالله جهد ایمانهم لئن جاءتهم آیة لیومنن بها قل انما الآیٰت عند الله وما یشعرکم انها اذا جاءت لا یومنون ونقلب افئدتهم و ابصارهم کما لم یومنوا به اول مرة ونذرهم فی طغیانهم یعمهون ۝

ترجمہ ۔ اور لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو وہ ضرور اس پہ ایمان لائیں گے (اے رسول) تم کہو کہ معجزے تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں۔ اور تمہیں کیا معلوم یہ یقینی بات ہے کہ جب معجزہ بھی آئے گا۔ تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ پلٹ دیں گے جس طرح یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ پہلی بار نشانیوں پہ اور ہم ان کو سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ سرگرداں رہیں۔

ممکن ہے کہ اول مرۃ کا اشارہ اس آیت ۲۷/۸ کی طرف ہو۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر وکذبوا واتبعوا اھواءھم وکل امر مستقر ۵

ترجمہ ۔ قیامت قریب آگئی۔ اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اگر یہ کفار کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا چلتا جادو ہے۔ اور ان لوگوں نے جھٹلایا۔ اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔"

فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی خاص وجہ ۱/۱۷ میں یوں بیان کر دی۔

بل قالوا اضغاث احلام بل افترٰہ بل ھو شاعر فلیاتنا باٰیۃ کما ارسل الاولون ۵ ما اٰمنت قبلھم من قریۃ اھلکناھا افھم یؤمنون ۵

ترجمہ ۔ اس پر بھی ان لوگوں نے اکتفا نہ کی۔ بلکہ کہنے لگے (یہ قرآن تو) خواب ہائے پریشان کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اس نے خود اپنے جی سے جھوٹ گھڑ لیا۔ بلکہ یہ شخص شاعر ہے (اور اگر حقیقتاً رسول ہے) تو جس طرح اگلے

پیغمبر معجزوں کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ اسی طرح یہ بھی کوئی معجزہ (جیسا ہم کہیں) ہمارے پاس لائے۔ ان سے پہلے ہم نے جن بستیوں کو تباہ کر ڈالا۔ (معجزہ دیکھ کر بھی) ایمان نہ لائے تو کیا یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

یعنی پہلی قوموں کو فرمائشی نشان دکھائے گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ ماننے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے، اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائش پوری کی جائیں۔ ظاہراً یہ ماننے والے تو ہیں نہیں۔ لامحالہ وہ بھی اوروں کی طرح تباہ کئے جائیں گے۔ مگر ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ حکومت الہیہ ان کے باقی رکھنے کی مقتضی ہے۔ جیسا کہ ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد تمام عرب مسلمان ہوگئے اور تباہ ہونے کی بجائے وہ دنیا کے ہادی اور رہبر بنے۔

اوپر لکھا ہے کہ یہ ظاہرا ماننے والے نہیں ہیں۔ ۲۳/۵ میں ہے۔

واذا راوا اٰیۃ یستسخرون قالوا ان ھذا الا سحر مبین ۝

ترجمہ۔ جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو (اس سے) مسخرہ پن کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔ جن کی یہ عادت ہو، ان کو معجزہ کیا دکھایا جائے۔

لیکن باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے معجزات دکھائے مگر کفار نت نیا ہی سوال کرتے رہے۔ ۱/۲ میں ہے۔ وقال الذین لا یعلمون لولا یکلمنا اللہ او تاتینا اٰیۃ کذلک قال الذین من قبلھم تشابھت قلوبھم قد بینا الاٰیٰت لقوم یوقنون ۝

ترجمہ۔ اور جو (مشرکین) کچھ نہیں جانتے۔ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے (خود) کلام کیوں نہیں کرتا۔ یا ہمارے پاس (خود) کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح کی باتیں وہ لوگ کر چکے ہیں۔ جو ان سے پہلے تھے۔ ان سب کے دل

آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں ان کو تو ہم اپنی نشانیاں صاف طور پر دکھا چکے ہیں۔

لفظ آیت سے آیاتِ قرآنی مراد نہیں۔ اسلئے کہ ایک آیتِ قرآنی کیا بہت سی آیات ان کے پاس آ چکی تھیں۔ پھر کسی ایک آیت کی کیا درخواست کرتے۔ بلکہ آیت سے نشان قدرت یعنی معجزات مراد ہیں۔

نشانِ قدرت کے معنوں میں آیت کا لفظ ۳/۱ میں استعمال ہوا ہے۔

قد کان لکم اٰیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ یرونھم مثلیھم ۵

ترجمہ۔ بیشک تمہارے (سمجھنے کے) واسطے ان دو (مخالف) گروہوں میں جو (بدر کی لڑائی میں) ایک دوسرے کے ساتھ گتھ گئے تھے (رسول کی سچائی) کی بڑی بھاری نشانی ہے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا۔ اور دوسرا کافر تھا۔

جنگ بدر کا ایک معجزہ تو وہ ہے۔ جس کا ذکر ۹/۱۶ میں ہے۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ ولیبلی المؤمنین منہ بلاءً حسنا ان اللہ سمیع علیم ۵

ترجمہ۔ سو تم نے ان کو نہیں مارا، بلکہ اللہ نے ان کو مارا۔ اور تم نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت پھینکی تھی۔ اللہ نے پھینکی تھی۔ تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان۔ بیشک اللہ سننے والا ہے۔"

کیا معجزے سے ایمان کی دولت نصیب ہوتی ؟ اس کا جواب ۱۳/۱ میں یوں دیا ہے۔

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ اٰیۃ من ربہ قل ان اللہ

یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب ہ

ترجمہ - اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (شخص یعنی تم) پر (ہماری خواہش کے مطابق) کوئی معجزہ اس کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں نازل ہوتا۔ (ان سے) کہہ دو کہ اس میں شک نہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور جس نے اس کی طرف رجوع کیا اسے اپنی طرف پہنچنے کی راہ دکھاتا ہے۔

یعنی جب تک انسان اللہ کی طرف رجوع نہ کرے۔ اس کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی معجزہ فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ تین آیتوں کے بعد فرمایا۔

ولوان قرانا سیرت بہ الجبال اوقطعت بہ الارض اوکلم بہ الموتی بل للہ الامر جمیعاً افلم یایئس الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعاً ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ اوتحل قریباً من دارھم حتی یاتی وعد اللہ ان اللہ لایخلف المیعاد ہ

ترجمہ - اور اگر کوئی ایسا قرآن (بھی نازل ہوا) ہوتا۔ جس کی برکت سے پہاڑ (اپنی جگہ سے) چل کھڑے ہوتے۔ یا اس کی وجہ سے زمین کی (مسافت) طے کی جاتی۔ اور اس کی برکت سے مردے بول اٹھتے۔ (تو بھی یہ لوگ ماننے والے نہ تھے۔) بلکہ (سچ یوں ہے کہ) سب کام کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ تو کیا ابھی تک ایمانداروں کو چین نہیں آیا کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ ان پر ان کی سزا میں کوئی (نہ کوئی) مصیبت پڑتی ہی رہے گی۔ یا (ان پر نہ پڑی) تو ان کے گھروں کے آس پاس

مصیبت نازل ہوگی (ضرور) ۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ (فتح مکہ) پورا ہوکر رہے گا ۔ اور اس میں تو شک نہیں کہ خدا ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔"

فرمائشی معجزات کی بجائے فرما دیا کہ ہم فتح مکہ تک برابر اپنی قدرت کے نشانات دکھاتے جائیں گے ۔ اور دکھائے گئے ۔ جس سے کہ نبوت کی تصدیق ہوتی جائے گی ۔ کیونکہ ۔ وماکان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ لکل اجل کتاب ٥

ترجمہ ۔ اور کسی پیغمبر کی مجال نہیں تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کے اذن کے بغیر لا دکھائے ۔ ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا ۔ یعنی اس وقت کو نہ نبی بدل سکتا ہے نہ فرشتہ ۔

اسی واسطے ۱۷/۳ میں کہا ہے ۔

خلق الانسان من عجل سأریکم ایاتی فلا تستعجلون ٥

ترجمہ ۔ آدمی تو بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے ۔ میں عنقریب ہی تمہیں اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھاؤں گا ۔ تو تم مجھ سے جلدی کا (شور) نہ مچاؤ ۔"

امید ہے کہ اتنا لکھنا ہی کافی ہوگا ۔ ہدایت تو اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے ۔

باب ۳

قرآنِ کریم اور موجودہ سائنس

قرآن کریم وحی الٰہی ہے۔ اور انسان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ تاکہ یہ کمزور انسان صراطِ مستقیم پر چل کر اپنی دنیا و آخرت کی اصلاح کر سکے۔ اور کامیاب ہو۔ سائنس کا مدعا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مطالعہ ہے۔ اس لئے وحی الٰہی اور آثارِ قدرت کا مطالعہ ہے۔ اس لئے وحی الٰہی اور آثارِ قدرت میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں جہاں اٹکل کے تیر چلائے جائیں۔ وہاں وحی الٰہی سے مخالفت ہو جائے گی۔ ۱۰/۹ میں اس طرح آیا ہے۔

ان الظن لایغنی من الحق شیئا ۵

ترجمہ۔ گمان یقین کے مقابلے میں ہرگز کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔

ویسے تو جیسا کہ مصر کے فاضل طنطاوی جوہری مرحوم نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ کہ قرآن کریم نے علومِ کائنات کا جاننا واجب قرار دیا ہے۔ سورۃ یونس میں آیا ہے۔

۱۰/۱۱۔ قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض ۵

ترجمہ۔ کہہ دو کہ ذرا دیکھو تو سہی کہ آسمانوں اور زمین میں (خدا کی نشانیاں کیا کیا کچھ ہیں۔"

اس پر فاضل مرحوم نے حسب ذیل نوٹ دیا ہے۔

یہاں نظر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور نظر کرنا اس بات کا نام نہیں ہے کہ سرسری نگاہ ڈال لو اور بس۔ کیونکہ یہ تو ایک ادنی آدمی بھی کر سکتا ہے۔ اور ایک مرتبہ نظر کر لینا کچھ مفید نہیں پڑتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس جگہ نظر کرنے کے معنی کچھ اور ہیں۔ اور وہ معنی یہ ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیکھو۔ اور دماغ سے کام لیکر ان پر غور کی نظر ڈالو اور جب کسی قوم نے اس حکم کے ماننے سے روگردانی کی تو اس کو یوں ملامت کر کے ڈانٹ بھی پلائی۔

9/14 - اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض وما خلق اللہ من شیٔ وعسٰی ان یکون قد اقترب اجلھم فبای حدیث بعدہٗ یومنون ۵

ترجمہ - کیا ان لوگوں نے زمین اور آسمان کے نظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر نظر نہیں کی۔ اور نہ اس بات پر کہ ان کی موت قریب آگئی ہو تو اب اتنا سمجھانے کے پیچھے اور کونسی بات ہے جسکو سنکر وہ ایمان لے آئیں گے۔

نوٹ - شاید یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے انظروا الیہ اور انظروا فیہ - میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآنِ کریم میں انظروا فیہ - استعمال ہوا ہے نہ کہ انظروا الیہ دوسری جگہ آیا ہے 13/12 (سورۃ یوسف میں) وکاین من اٰیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون ۵

ترجمہ - اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا ہے ان کا اور ان پر دھیان نہیں لاتے۔ اور ایمان نہیں لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آیاتِ تکوینیہ دیکھ کر خدا کی توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب دھیان نہیں ہے تو ایمان کہاں سے ہو۔ زبان سے اکثر کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بنا رہا ہے۔ کوئی اس کے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔ کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے۔ کوئی اٹکل کے تیر چلا کر کہتا ہے کہ زمین و آسمان خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن صاحب فہم و دانش کا طریقہ اور ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۲۲/۱۶ میں ان لوگوں کی ایک طرح کی مذمت ہے جو کائنات کا علم حاصل نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ شک و شبہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں۔

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانھا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہ وغرابیب سود کذٰلک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور ۵

ترجمہ ۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے رنگا رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے ان کے رنگ اور بھجنگے کالے۔ اور آدمیوں اور جانوروں اور چارپائیوں کی بھی رنگتیں طرح طرح کی ہیں۔ اس کے بندوں میں خدا کا خوف کرنے والے تو بس علماء ہیں۔ بیشک خدا سب سے غالب بخشنے والا ہے۔

نوٹ ۔ یہاں عالم کے یہ معنی نہیں کہ جن کو صرف علمِ فقہ حاصل ہے

بلکہ وہ عالم مراد ہیں۔ جن کو کمال ایمان کے ساتھ آثارِ قدرت کا علم بھی ہے۔ کیونکہ ایمان نام ہے تصدیقِ قلب اور ایک شے کو اطمینان کے ساتھ جان لینے کا کہ پھر اس کے بارے میں شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔ ساتھ ہی قرآنِ کریم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آثارِ قدرت کا مطالعہ کس نظر سے کرنا چاہیئے ۔ میں آیا ہے۔

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیٰت
لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی
جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما
خلقت ھذا باطلا ج سبحانک فقنا عذاب النار ؕ

ترجمہ۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات دن کے الٹ پھیر میں عقلمندوں کے لئے (قدرتِ خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں اور (بیساختہ) کہہ اٹھتے ہیں کہ خداوندا تونے اس کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ تو فعلِ عبث سے پاک ہے۔ پس ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ دوسرے لفظوں میں اس کارخانۂ کائنات کے اندر جو آثارِ حکمت ہر گوشہ میں ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان سے وہ اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

الذی خلق فسوٰی والذی قدر فھدٰی ج

یہ سب فعل اسی ذات پاک میں ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ سائنسدان جب کسی خاص ترتیب اور ترکیب کو بھی دنیا میں دیکھتے ہیں

اور ظاہر اطور پہ کوئی اُس کی دلیل نہیں دے سکتے۔ تو پھر بھی خالق کا نام لینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ تھوڑی مدت ہوئی ہے کہ۔ The New Physical Leoucational Lahore. ایک کتاب Secience. نے کتاب۔

چھاپی ہے۔ اس میں بڑے بڑے سائنسدانوں کے مضامین ہیں۔ سورج کے متعلق ایک مضمون سر ہرورڈ اسپنس جونس (Sir Harvered Spence Jones) کا لکھا ہوا ہے۔ وہ اس کتاب کے صفحہ ۳۷ پہ لکھتے ہیں کہ۔

"سورج کے موجودہ نظام میں ایک خاص قسم کی باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سورج اور وہ تمام سیارے جو اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اور دیگر چھوٹے چھوٹے ستارے جو ان ستاروں کے گرد گھومتے ہیں سب ایک ہی طرز پہ گھومتے ہیں۔ ان کی گردش کے دائرے بھی ہموار ہیں یہ باقاعدگیاں۔ قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ سورج کا موجودہ نظام ایک محض اتفاقیہ نظام نہیں بنا۔ بلکہ اس کی ترتیب کا کوئی خاص منبع ہے۔ اور اس منبع کے متعلق متعدد قیاس آرائیاں ہیں۔"

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس سائنسدان نے کس طرح خدا کا نام لینے سے گریز کیا ہے۔ اس کے متعلق بے اختیار سورۃ الاعراف کی اس آیت کی طرف توجہ جاتی ہے کہ۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یغشی الیل النہار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرٰت بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین ۵۴

ترجمہ ۔ تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے ۔ جس نے صرف چھ دنوں میں آسمان و زمین کو پیدا کر دیا ۔ پھر عرش (کے بنانے) پر آمادہ ہوا ۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے ۔ (تو گویا) رات دن کو پیچھے تیزی سے ڈھونڈتی پھرتی ہے ۔ اور اسی نے آفتاب اور مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا ۔ یہ سب کے سب اس کے حکم کے تابعدار ہیں ۔ حکومت اور پیدا کرنا ۔ بس خاص اسی کے لئے ہے ۔ وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے ۔ بڑا برکت والا ہے ۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے روح کے متعلق لکھتے ہوئے خلق اور امر کا فرق بیان کیا ہے ۔ جو انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔ امر کو خلق کے بالمقابل رکھا ہے ۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ۔ ایک خلق ، دوسرا امر دونوں میں کیا فرق ہے ۔ اس کو ہم سیاق آیات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں پہلے فرمایا ۔ ان ربکم الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ۔

یہ تو خلق ہوا ۔ درمیان میں استوی علی العرش کا ذکر کر کے جو شانِ حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے ۔ فرمایا ۔

یغشی الیل النہار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ۰

یعنی ان مخلوقات کو ایک معین اور محکم نظام پر چلاتے رہنا ۔ جسے تدبیر و تعریف کہہ سکتے ہیں ، یہ امر ہوا ، گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو ۔ جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہیں ۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی

آٹا پیس رہی ہے۔ کوئی کتاب چھاپتی ہے، کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی سے پنکھے چل رہے ہیں، وغیرہ، ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں، جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین انداز سے ڈھالے جاتے ہیں، اور لگائے جاتے ہیں، پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشین فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے، آنِ واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت کے موافق گھماتی ہے۔ حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کہربائیت روشنی کے لمپوں اور ہ قمقموں میں پہنچتی ہے۔ وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیئت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس مثال میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ کرنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام میں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا ایٹم) کی اس خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں، جس کو "خلق" کہتے ہیں۔ ہر چھوٹا بڑا پرزہ اندازے کے موافق تیار کیا۔ جسے تقدیر کہا گیا ہے۔ فقدرہ تقدیرا۔ سب کل پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا۔ جسے تصویر کہتے ہیں۔ خلقناکم ثم صورنا (الاعراف ع)

یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین چلانے کے لئے امر الٰہی کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق اسمِ باری سے ہے۔ الخالق البارئ المصور (الحشر ع۳)

غرض ادھر سے حکم ہوا۔ "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی امر الٰہی کو فرمایا:۔

انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون ہٗ

دوسری جگہ فرمایا ۔ خلقہٗ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ہ

ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں کن فیکون کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق و ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے ۔ جس سے خیال گزرتا ہے کہ کلمۂ کن کا خطاب خلق کے بعد تدبیر و تعریف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا ۔ واللہ اعلم

فلسفۂ حیات (زندگی) کی نسبت بھی سائنس دان کسی نتیجے پر نہیں پہنچے ۔ وہ مانتے ہیں کہ اس سوال کا جواب ایسا ہی ناقابلِ بیان ہے ۔ جیسا کہ یہ سوال کہ زندگی یا حیات کیا چیز ہے ۔ انگریزی زبان میں اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

The question "How did life begin" is therefore as uncru severable as "What is life"

دراصل بات یہ ہے کہ جب انسان کسی بات کو ماننا نہ چاہے ۔ تو کئی ایک حجتیں نکال سکتا ہے ۔ قرآن کریم نے کیسا جواب کہا ہے ۔

۲۵/۳ - رب السمٰوٰت والارض وما بینھما ان کنتم موقنین ہ

ترجمہ ۔ سارے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ۔ سب کا رب وہی ہے اگر تم میں یقین کرنے کی صلاحیت ہو ۔"

کچھ مدت سے لوگوں کی زیادہ توجہ ڈارون کی دو کتابوں کی طرف ہو رہی ہے ایک کا نام :- The origine of species. اور دوسری کا نام The decent of man.

اب کہا جاتا ہے کہ ڈارون Athiast یعنی ملحد نہیں تھا ۔ Sir Arther Keith.

کہتے ہیں کہ جیسا کہ ڈارون DARVIN یا Lamark.
کا گمان تھا۔ کہ انسان ایک بندر سے نکلا، جس کو عرصہ دس لاکھ سال کا گذرا ہے۔
یہ بندر Champanzee. کی قسم کا تھا۔ اور کہ انسان اور اس بندر
Champanzee. کے درمیان ایک اور چیز تھی۔ یعنی ان کا دادا ایک ہی
تھا۔ اس کے خلاف پروفیسر ،۔ Werternhoen. کا خیال ہے۔ کہ
بندر انسان سے نکلا۔ ۱۹۳۸ء میں ڈکر Robert Brown. نے جنوبی افریقہ
میں کچھ کچھ انسانی شکل کی ایک نعش دریافت کی جو ایک بندر کی نسبت انسان سے
زیادہ مشابہ تھی۔ اس سے ڈارون کا سب بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔ اب تو اور
وجوہات میں بھی ڈارون کی رائے سے اختلاف کیا جاتا ہے۔
ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ جب یقین کی صلاحیت آدمی سے
اٹھ جائے۔ تو وہ مختلف قسم کے شکوک میں پھنس جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔

تبارك الذی بیدہ الملك وھو علی کل شئ قدیرہ

ترجمہ۔ جس خدا کے قبضے میں (سارے جہاں کی بادشاہت ہے) وہ
بڑی برکت والا ہے۔ اور ہر چیز پہ قادر ہے۔"

مگر پرانے فلسفیوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جب خدا بسیط ہے (یعنی جس
کے اجزاء نہیں ہیں) تو اس نے مرکب چیز کس طرح پیدا کی ہوگی۔ اس لئے انہوں
نے اس امر کو حل کرنے کے لئے حسب ذیل تھیوری (نظریہ) ایجاد کی کہ خداوند کریم
نے پہلے فلک اول کو پیدا کیا۔ جس میں کہ خلائی لباطلت کم ہوگئی۔ اس کے بعد
فلکِ دوم پیدا کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ نقشہ حسب ذیل ہے۔ بعض نے اس کا نام
فلک کی بجائے عقل رکھا۔ دیکھو اخلاقِ ناصری۔

نقشہ

فلکِ اوّل

فلکِ دوم

فلکِ سوم

فلکِ چہارم

فلکِ پنجم

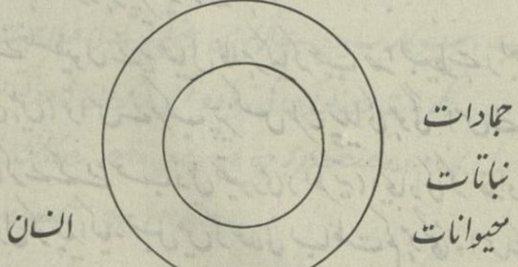
فلکِ ششم

فلکِ ہفتم

فلکِ ہشتم

فلکِ نہم

جہاں کہ بساطت بہت کم ہو گئی اور مرکب اشیاء پیدا ہو سکیں



ان کے خیال کے مطابق فلک نہم کے بعد پہلے جمادات پیدا ہوئے، پھر نباتات، پھر حیوانات، پھر انسان، ان سب میں ایک حد مشترک تجویز کی۔ جس میں دونوں طرف کی خصوصیات پائی جائیں۔ مثلاً ان کے خیال میں کھجور کا درخت نباتات اور حیوانات کے بین بین ہے۔ اور مطابقتوں کے علاوہ یہ ظاہر کیا کہ اگر کھجور کے درخت کے اوپر کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ درخت مر جاتا ہے۔ جیسا کہ حیوان کا سر کاٹنے سے حیوان مر جاتا ہے۔ دوسرے اگر مادہ کے درخت کے قریب کوئی نر کھجور نہ ہو تو وہ کھجور پھل نہیں لاتی۔ اسی طرح حیوان اور انسان کے درمیان بندر کو تجویز کیا۔

دوسرے فلسفیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے پہلے فرشتہ کو پیدا کیا۔ پھر مادہ (ربیقر)، پھر یوں ہی درجہ بدرجہ جمادات، معدنیات، نباتات حیوانات، اس کے بعد انسان۔ انسان ترقی کرتے کرتے فرشتوں میں مل جاتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ دنیا میں ایک عجیب ترتیب اور نظام ہے۔ کہ اس کو دیکھ کر فلسفی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔

انسان کا جسم مٹی سے بنا ہے۔ مگر اس کی روح اللہ کی طرف سے آئی جیسا کہ ۲۱/۱۴۱ میں فرمایا ہے۔

ذلك عالم الغيب والشهادة العزيز الرحيم الذی احسن كل شئ خلقه وبدا خلق الانسان من طين ﴿ ثم جعل نسله من سللة من ماء مهين ثم سوٰىه ونفخ فيه من روحه وجعل لكم السمع والابصار والافئدة قليلاً ما تشكرون ۝

ترجمہ۔ تو ہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا (سب پر غالب) مہربان ہے۔ اور (قادر) جس نے جو چیز بنائی خوب (درست) بنائی۔ اور انسان کی

ابتدائی خلقت مٹی سے کی، پھر اس کی نسل (انسانی جسم کے) خلاصہ یعنی (نطفہ سے)، یعنی ذلیل پانی سے بنائی۔ پھر انسان (کے پتلے) کو درست کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ اور تم لوگوں میں (سننے کے لئے) کان اور (دیکھنے کے لئے) آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل بنائے۔ (اس پر بھی) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو"۔

یہی روح مرنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں۔ ان کے لئے حسب ذیل بشارت دی گئی۔

۱۷۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۵

ترجمہ۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے۔ انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا۔ بلکہ وہ لوگ (جیتے جاگتے) موجود ہیں۔ اپنے پروردگار سے وہ روزی پاتے ہیں۔ اور خدا نے جو فضل وکرم ان پر کیا ہے۔ اس (کی خوشی) سے پھولے نہیں سماتے۔ اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے۔ اور ان میں آکر شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت یہ (خیال کر کے)، خوشیاں مناتے ہیں کہ (یہ بھی شہید ہوں تو) ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا۔ اور نہ آزردہ خاطر ہوں گے"۔

دوسری طرف اس کے برعکس یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سائنس کے بعض بیانات کا صحیح مفہوم سمجھے بغیر قرآن کریم کے سیدھے سادھے الفاظ کی تاویلات شروع کر دی گئیں۔ اس کی بھی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے سمجھنے کے بعد صحیفۂ فطرت کی نشانیوں سے قرآن کریم کی تصدیق روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگی یہ کارخانہ بالکل بے نتیجہ اور بے غایت نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ

ایک لامتناہی مدت تک بغیر کسی علت اور حکمت کے یوں ہی چلا جائے۔ بس فکر و نظر کی اس منزل میں پہنچ کر وہ اللہ کی حمد و ثنا میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور پھر یہیں سے وہ اعجزا کا یقین حاصل کرتے ہیں اور بے تحاشا ان کی زبانوں پر کلمۂ استغفار جاری ہوتا ہے۔ تو پاک ہے پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔

نوٹ۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ہے کہ ایک ساعت کی فکر تمام شب کی عبادت بلکہ ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ مگر یاد رہے کہ وہی فکر جو خدا کی قدرت و صنعت وغیرہ میں ہو۔ نہ کہ اِدھر اُدھر کی فکر۔

لیکن یاد رہے کہ سائنس کو اپنی بے علمی کا پورا احساس ہے۔ مثلاً انسائیکلو پیڈیا کی جلد ۸ صفحہ ۳۳۷ پر الیکٹرون Electron کی تعریف کے متعلق مصنف نے لکھا ہے۔ کہ ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ آخر بجلی کیا چیز ہے؟ جس کو انگریزی میں ( ) کہتے ہیں۔ اس نے مزید کہا ہے کہ بجلی کی حقیقت کا ہم کو اتنا ہی علم ہے۔ جتنا کہ مادہ کا یا ایتھر کا یا دل کا یا دنیا کی کسی چیز کا۔

دوسرا امر یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سائنس کی ایک حد ہے۔ جس سے وہ باہر نہیں جا سکتی۔ قرآن کریم کی سورۃ اعلیٰ ۳۰/۱۲ میں آیا ہے۔

سبح اسم ربك الاعلى الذى خلق فسوى والذى قدر فهدى

ترجمہ۔ (اے رسول) اپنے عالیشان پروردگار کے نام کی تسبیح کر جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر درست کیا اور جس نے اس کا اندازہ کیا، پھر راہ بتائی۔"

ان آیات مبارکہ میں اپنی قدرت کاملہ کو بیان کیا ہے۔ جس پر ایک مفصل بحث کی جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے گی۔ اس موقع پر صرف خلق

اور قدر پر کچھ وضاحت کی جائے گی۔ پہلے فرمایا:۔ الذی خلق فسوّٰے
جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر درست کیا۔ اب سائنس نے مجبوراً
اپنی عاجزی کو مان لیا ہے۔ کہ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتی۔ صرف صورت
تبدیل کر سکتی ہے۔ مثلاً پانی ہے اس کو بھاپ بنا دے۔ یا اسکو ٹھنڈا کر کے
جما دے۔ یا اس کو مٹی میں جذب کر دے۔ ایسا ہی دنیا کی سب چیزوں کا
حال ہے۔ کوئی شخص کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے
کہ ایک کا ایک پر انحصار ہے۔ سورج سے حرارت زمین پر آئی، پانی سے
بخارات اٹھے۔ پانی اور ہوا جوش میں آئے، ہوا نے ابر کو دوش پر اٹھا
لیا۔ جب پانی بھاپ بنکر فضائے آسمانی پر بلند ہوا۔ تو کرۂ زمہریر کے جوار
میں پہنچتے ہی پھر پانی بنکر خشک زمین پر ٹپک پڑا۔ اور حیوانات و نباتات کی
خلقت اور پرورش کا وسیلہ بنا۔ غرضیکہ اس طرح عالم موجودات کو ایک
لڑی میں پرویا ہوا دیکھو گے۔ جس کا ادنیٰ جزو اعلیٰ جزو کا محتاج ہے۔ اعلیٰ
ادنیٰ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو ادنیٰ اعلیٰ سے مدد و اعانت حاصل کرتا ہے۔ جب
ہمارے موجودہ نظام عالم کی یہ ترتیب اور شکل ہے۔ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ
دوسرے عالموں کے نظامات بھی ایسے ہی ہوں گے۔ اور یہ اندازہ اور طریقہ ان
کی ترتیب کے ساتھ ہوگا۔ اسی پاک ذات نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور درست
طور پر بنایا۔ پھر ہر چیز کے لیئے ایک اندازہ اور حد بندی مقرر کی۔

قدّر۔ اب اس کے متعلق تھوڑا سا لکھا جاتا ہے۔ ہر ایک مرکب چیز
دو یا اس سے زیادہ عناصر کی آمیزش سے بنی ہوئی ہے۔ مثلاً پانی کو لیجیئے۔ وہ
ہائیڈروجن اور آکسیجن کی آمیزش سے بنا ہوا ہے۔ جس کو عناصر کہتے ہیں۔ آج
ایسے عناصر تقریباً ۹۳ دریافت کیئے گئے ہیں۔ مادے کے آخری ٹکڑے کو جس

سے وہ آگے تقسیم نہیں ہو سکتا۔ (Wol cule.) مالیکول کہتے ہیں اس کی وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جس اصل مادے کا وہ ایک حصہ ہے۔ اس کے بعد دریافت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ (Mobaile.) بھی (Atoms) سر طیاری ہے۔ (Atom.) میں اصل مادہ کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ (Atom) کا اصلی لفظ (Atoms.) ہے جس کے معنی ہیں ناقابلِ تقسیم۔ اس کے بعد دریافت سے معلوم ہوا کہ۔ (Atom.) ایٹم میں الیکٹرون (Electron.) ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ آخر سائنسدان اس نتیجے پہ پہنچے کہ (Electron.) الیکٹرون میں منفی (Negative.) بجلی ہوتی ہے۔ اور یہ الیکٹرون ان پہ ایک چھوٹے مرکز کے گرد تیزی سے گھومتے ہیں جس کو (Wielens.) کہتے ہیں۔ اس میں مثبت بجلی ہوتی ہے جس کو اب (Proton.) کہتے ہیں۔

نوٹ۔ آپ جانتے ہیں کہ بجلی کے دو تار ہوتے ہیں۔ ہمارے علاقہ میں (Negative.) نگٹو کو ٹھنڈا تار کہتے ہیں اور (Positive.) کو گرم تار۔ اور ان دونوں تاروں کے ملنے پر بجلی میں روشنی یا حرکت وغیرہ پیدا ہوتی ہے۔ اب سائنسدان اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ مادہ خواہ کسی قسم کا ہو۔ انہی تین یا چار چیزوں کی آمیزش سے تیار ہوتا ہے۔ ہر ایک مادہ میں یہ چیزیں مختلف اندازے سے ہوتی ہیں۔ جن سے ایک قسم کا مادہ دوسرے مادہ سے الگ ہوتا ہے۔ اس بنا پہ پانی پتھر، ہوا، آگ، روشنی، حیوانات صرف تین ہی ہیں یعنی

۱۔ (Electron.) الیکٹرون

۲۔ (Proton.) پروٹون

۳۔ (Energy.) انرجی یا (Radiation.) ریڈیاشن

آپ اگر ایک مقررہ مقدار ہائڈروجن کی لیں۔ اور اتنی ہی مقدار آکسیجن کی لیں۔ تو آپ دیکھیں گے کہ آکسیجن ہمیشہ ہائڈروجن سے ۱۶ گنا زیادہ وزنی ہے۔ اس لئے ہائڈروجن کو نمبر ا دیا گیا ہے کہ وہ سب سے زیادہ ہلکی ہے۔ کاربن (Carbon.) کو نمبر ۱۲ دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ ہائڈروجن سے بارہ گنا بھاری ہے۔ غرضیکہ دنیا کی ہر چیز کی بناوٹ میں ان کے اجزا کی مقررہ تعداد ہے۔ جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور انہی عناصر کو مختلف ترکیب اور ملاوٹ سے پانی، پتھر، آگ، نباتات، حیوانات وغیرہ بنتے ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ مادہ کبھی تباہ نہیں ہوتا۔ مگر اب یہ خیال غلط ثابت ہوا ہے۔ مادہ کو اب اینرجی (Energy.) کی صورت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

غرضیکہ ہر چیز کی بناوٹ یا ترکیب میں عناصر کے خاص اوزان ہیں، بلکہ جس نے ان کو پیدا کیا، اسی نے اندازے بھی مقرر کئے ہیں۔ اس لیئے رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ۔

واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے رب جلیل ربک الاعلیٰ! کی تصدیق کے لیئے حکم دیا۔ تو گویا پوچھنے والے نے کہا کہ رب جلیل کی تسبیح اس وقت ہوتی ہے۔ جب معرفت حاصل ہو۔ جس کے واسطے دلیل چاہیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الذی خلق فسوّیٰ والذی قدر فھدیٰ۔ یہ سب فعل اسی ذات پاک کے ہیں۔

سورۃ النور میں ہے۔ ۱۸/۱۱۔ الم تر ان اللّٰہ یزجی سحابا ثم یولف بینہ ثم یجعلہ رکاما فتری الودق یخرج من خللہ وینزل من السماء ماء من جبال فیھا من برد فیصیب بہ من یشاء ویصرفہ عن من یشاء یکاد سنا برقہ یذھب

بالابصار ۵ ڈ

ترجمہ - کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بادل کو ہانک لاتا ہے۔ پھر اس بادل کو باہم ملا دیتا ہے۔ پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے۔ تب تو بارش اس کے درمیان سے نکلتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور آسمانوں میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے ان میں سے وہی اولے برساتا ہے۔ پھر انہیں جس کے سر پر چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔ اور جس کے سر سے چاہتا ہے ٹال دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دے۔"

چونکہ آسمانوں میں اولوں کا پہاڑ بادی النظر سے دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے عام طور پر مفسرین نے تاویل سے کام لیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ لفظِ جبال کی حقیقت کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔ نہ صرف عام تفسیر کرنے والے بلکہ پروفیسر طبیعات بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برقؔ نے اپنی تصنیف "دوقرآن" میں مفسرین پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے محترم دوست پیر غلام وارث پروفیسر طبیعات گورنمنٹ کالج ہوشیار پور کی تفسیر قدرے لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ درج کی ہے۔ دیکھو صفحات ۲۸۴ تا ۲۸۷ (دوقرآن) صفحہ ۲۸۶ پر وہ لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت آج تک ایک معمہ تھی۔ اب سائنس کے انکشافات نے اسے واضح کر دیا۔ جبال جمع ہے جبل کی۔ اور جبل کے معنی ہیں مٹی کو پانی سے ملانا۔ ماہرین باران نے انکشاف کیا ہے کہ بوندوں کی تکوین خاکی ذرات کے سہارے کے بغیر ناممکن ہے۔ ہر قطرۂ آبی خاک کے ارد گرد تیار ہوتا ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ۔

اور اللہ آسمانی بلندیوں سے ایسے قطرات اتارتا ہے۔ جن میں خاکی ذرات

ملے ہوتے ہیں"۔

آخر میں وہ یوں فرماتے ہیں۔

"صفحہ ۲۸۷ پر ان تفاسیر کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ۔"

"کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ بادلوں کو ہانک کر ایکدوسرے کے قریب لاتا ہے برقی رو کی بدولت قطرات ایکدوسرے سے پیوستہ ہو جاتے ہیں (ر کاما) اور پھر تیزاب آمیز بوندیاں بادلوں سے نکلتی ہیں۔ اور اللہ فضائی بلندیوں سے ایسے قطرات زمین پر برساتا ہے۔ جو خاکی ذرات کے سہارے بنتے ہیں۔ خدائی مرضی کے مطابق بعض مقامات میں بارش برستی ہے۔ اور بعض جگہ نہیں برستی قریب ہے کہ بجلی کی روشنی آنکھوں کو بصارت سے محروم کر دے۔"

آپ نے دیکھ لیا ہوگا۔ کہ یہاں اور لفظوں کی تشریح کی ہے۔ وہاں لفظ من برد کو چھوا تک نہیں۔ اور نہ ہی ترجمہ میں اس کا کوئی ذکر کیا ہے۔ اب لفظِ جبال کی تفسیر مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی کے بیان القرآن سے سنیئے۔

صفحہ ۱۲۵۰ کے فٹ نوٹ پر لکھتے ہیں کہ۔ ینزل من السماء من جبال فیہا من برد سماء :۔ کے معنی سحاب یعنی بادل ہے۔ اور من جبال فیہا سے مراد ہے، قدر جبال وامثال جبال من برد یعنی پہاڑوں کی مانند اولے (ج)، اور مراد جبال سے مجازاً کثرت ہے۔ اور اس معنی میں یہ لفظ اشعار عرب میں استعمال ہوا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ۔ عندہٗ جبل من ذھب و جبل من علم۔ (ر) یعنی اس کے پاس سونے کا یا علم کا پہاڑ ہے۔ اور مراد اس سے کثرت ہے اور یا من جبال سے مراد مراد ہے من قطع عظام تشبہ الجبال (ر) یعنی بادلوں کے بڑے

بڑے ٹکڑوں سے جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔ اولے برساتا ہے۔ اور ایک معنی من جبال فیہا کے یوں بھی کئے گئے ہیں۔ کہ جبال سے مراد جبلۃ اللہ ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اور گو روح المعانی میں اس قول کو یہ کہکر رد کر دیا گیا ہے کہ لغت اس کی تائید نہیں کرتی۔ مگر لسان العرب میں ثعلب کا قول منقول ہے کہ جبلۃً جس کے معنی خلقت کے ہیں اس کی جمع جبال ہے اور عرب لوگ کہتے ہیں اجن اللہ جبالہ، یعنی اللہ اس کی خلقت کو ڈھانپ دے۔ یا اسے مجنون بنا دے۔"

دیکھا آپ نے کہ مولانا صاحب لفظ کے حقیقی معنے سے گریز کر کے کس طرح مجاز میں جا گھسے ہیں۔ اور پھر تشفی نہ کر سکے۔

دراصل آیت مبارکہ میں برد بفتحین یعنی اولوں کے پیدا کرنے کا بیان ہے، کلام میں تین مِن ہیں۔ حافظ ابنِ کثیر نے بعض نحویوں کا قول بیان کیا ہے۔ کہ پہلا من (مِن السماء) میں ابتدائے غایت کا ہے۔ یعنی جہاں سے پیدائش کی ابتدا ہوئی، اور وہ آسمان ہے۔ اور دوسرا من (مِن جبال) میں تبعیض کا ہے۔ یعنی کل آسمان سے اس کی پیدائش نہیں بلکہ بعض حصہ سے ہے۔ اور وہ من جبال فیہا۔ یعنی آسمان میں پہاڑوں سے اور تیسرا من (مِن بَرَد) میں مِن بیانیہ ہے۔ یعنی وہ پہاڑ کس چیز کے ہیں۔ وہ برد کے پہاڑ ہیں۔ پس حاصل معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے اولے نازل کرتا ہے۔ اور یہ آسمان سے اولے کے پہاڑوں سے نازل ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسے بادلوں کو جبال کیوں کہا گیا ہے۔ اور قرآن کریم اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ظاہر ہوا۔ لیکن در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو آپ پر نازل ہوا ہے۔ اس لئے لامحالہ

اس میں کوئی بات بھی خلاف واقع نہیں ہوسکتی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی جلد نمبر ۱۱ میں اولوں کی پیدائش کا اس طرح ذکر ہے۔

Nail is frozen raindrops though. nail stone are frequently much larger than any single randrop, which could be formed by any means. Rising convertion currents, consequent on some, Local instability if the atmosphere, result first in a neavy cloud usually Commates nimbus in Type and then in raindrops, wich are carried upwards, and freeze in the Colling air dariny desent the nail stone receives, another cooling of water which may be foezen during a subse quent ascent, in another part of the Storm.

مختصراً اس کے معنی یہ ہیں کہ اولے بارش کے منجمد قطرات ہیں۔ اور وہ اور وہ ایسے بھاری بادلوں سے نکلتے ہیں، جکو (Cumuld nimlme) کہتے ہیں ویبسٹر ڈکشنری کے مطابق اس انگریزی لفظ کے یہ معنے ہیں۔

A mountainous cloudy mass or condend. Vapour from whose fall Showess of rain snows Shet or hail.

جس کا مطلب یہ ہوا کہ منجمد بخارات کے ایک پہاڑی طرز کے بادلوں کے ڈھیر سے بارش، برف اور اولے نکلتے ہیں۔ اس تعریف سے صاف ظاہر ہے کہ سائنسدانوں کے نظریہ کے مطابق اولے ان بادلوں سے نکلتے ہیں جو اپنی وضع قطع میں زمین کے پہاڑوں کی طرح ہیں۔ خود لفظ (Cmulos) کے معنی اس طرح ہوتے ہیں۔:-

Amussy cloud from acauring in the middle cloud resion having a flat hbase and round out lines pili like a mountain--

جس کے معنے یہ ہیں کہ بادلی خطہ کے درمیانی حصہ میں بادلوں کا ایک ڈھیر جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اس کی نشست ہموار ہوتی ہے، اور باہر کے حدود گولائی پر ہوتے ہیں۔ اور وہ ڈھیر پہاڑ کی طرح تہ بتہ ہوتا ہے، یعنی جس بادل سے اولے پرستے ہیں اس کی شکل وضع قطع بالکل زمین کے پہاڑ کی طرح ہوتی ہے۔

ان تشریحات سے آپ نے اب دیکھ لیا ہوگا کہ قرآن کریم نے اولوں کے بادلوں کی طرح نسبت لفظِ جبال استعمال فرما کر ان کی صحیح حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اور اس سے بہتر الفاظ اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔ ساتھ ہی دوسرے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا۔ مثلاً لفظ یؤلف لانا یعنی ایک سحاب کو دوسرے سحاب سے ملا کر متفرق ٹکڑوں کو ایک

تو دا بنا دیتا ہے۔ اور پھر ثم یجعل رکاماً کہنا، یعنی پھر ان کو تہ بتہ ایک دوسرے کے اوپر رکھتا ہے۔ جیسے پہاڑوں میں پتھر ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کو پھر زیادہ واضح کرنے کے لئے کہا۔ من جبال فیہا من برد۔ یعنی یہ پتھر کے پہاڑ نہیں ہیں۔ بلکہ اولوں کے پہاڑ ہیں۔ اگر مفسرین کو یہ حقیقت معلوم ہوتی تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہ پڑتی۔

ایک اور امر کی بھی وضاحت کر دی جائے تو خالی لطف نہ ہوگا۔ اس آیت مبارکہ کے آخر میں آیا ہے۔

یکاد سنا برقہ یذہب بالابصار ہ

ترجمہ۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو لے جائے۔"

لفظِ برقہ میں جو ضمیر ہے وہ سحاب کی طرف راجع ہوتی ہے۔ جو اسم جنس ہے۔ اس سے بھی ایک بڑی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ بادل آسمانی بجلی پیدا کرتے ہیں۔ سائنسدانوں کا یہ مسلمہ فیصلہ ہے کہ آسمانی بجلی دو بادلوں کے بالمقابل مثبت اور منفی کے طور پہ ملنے سے یا زمین کی منفی بجلی اور بادل کی مثبت بجلی کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔

پارہ ۱۳ رکوع ۸ میں ہے۔ ھوالذی یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینشیٔ السحاب الثقال ؗ ویسبح الرعد بحمدہٖ والملٰئکۃ من خیفتہٖ ۚ ویرسل الصواعق فیصیب بھا من یشاء ہ

ترجمہ۔ وہ وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور لالچ دینے کے واسطے (بجلی کی) چمک دکھاتا ہے۔ اور بوجھل بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔ اور رعد اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد و ثنا و تسبیح کیا کرتے ہیں۔ وہی (آسمان سے) بجلیوں

کو بھیجتا ہے۔ پھر اسے جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔"

آیت مبارکہ میں بیان کر دیا کہ بھاری بادلوں سے رعد و برق پیدا ہوتی ہے اور کہ یہ انسانوں کے لئے باعثِ خوف و باعثِ منافع ہوتی ہے۔

نوٹ۔ میرے خیالِ ناقص میں یسبح الرعد بحمده اور لفظ الصواعق کا یہاں پر لانا ایک خاص قسم کے شرک کو رفع کرنے کے لئے ہے اور وہ یہ ہے کہ پچھلے زمانہ میں یہ سمجھا جاتا تھا، کہ ایک دیوتا یا چھوٹا خدا بجلی پر حاوی ہے۔ اس لئے الصواعق کے بالمقابل انگریزی کے لفظ:- (Mender Holt) کا استعمال شروع ہوا۔ (Holt) کے معنی تیر یا نیزہ کے ہیں۔ (Mender Holt) کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ چھوٹا خدا یا دیوتا ایک تیر یا نیزہ مارتا ہے جس سے یہ رعد اور برق پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا ایک اور قسم کا شرک بھی رفع کیا گیا۔ اور وہ یہ تھا کہ یہ کڑک کسی آئندہ واقع کے لئے ایک شگون ہے۔ مثلاً اتوار کو اگر کڑک ہو تو یہ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ کوئی بڑا آدمی مر جائے۔ پیر کی نسبت خیال تھا کہ کوئی بڑی عورت مر جائے گی۔ منگل اور جمعرات کو اچھی فصلیں ہوں گی۔ بدھ کو خون خرابہ ہوگا۔ جمعہ کو جنگ ہوگی۔ اور ہفتہ کے روز ہو تو وبا پڑے گی۔ ۱۷۸۳ء تک اس رسم کو انگلستان میں جارج سوم نے بند نہ کیا۔ ایسے وقتوں میں گرجوں میں گھنٹے بجائے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ پارہ ۲۱ رکوع ۶ میں بیان کیا کہ:-

ومن آیتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتھا

ترجمہ۔ اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے واسطے بجلی دکھاتا ہے۔ اور آسمان سے

پانی برساتا ہے۔ اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں ایک اور اصول بیان ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ آسمانی برق اور بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے۔ اس کے لئے کتاب :- (Every Body book of Foot) کے صفحہ ۸۴ سے حسب ذیل عبارت نقل کی جاتی ہے :- Lightning is bothemany+fied-

اس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ برق دوست بھی ہے اور دشمن بھی ہے۔ دوست اس طرح ہے کہ ہر سال بارش کے ساتھ کروڑوں من نائٹروجن زمین پر لاتی ہے۔ جو زمین میں کھاد کا کام دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں۔ طمعا اور فیحیی الارض بعد موتھا۔ فرمایا۔

ترجمہ ۔ اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔"

دیکھئے موجودہ سائنس کی تحقیقات کس طرح قرآن کریم کی حقیقت اور سچائی کو ظاہر کر رہی ہے۔

دشمن اس طرح ہے کہ بجلی گرنے سے جنگلوں کے جنگل جل جاتے ہیں اور اندازہ کیا گیا ہے کہ اس سے اور ژالہ باری سے تمام دنیا میں سالانہ نقصان ۲۵ کروڑ روپے کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک سال امریکہ میں بجلی سے ۱۳۷، آدمی مرے اور ۹۷۳ زخمی ہوئے اور ۷۷۹ عمارتیں بجلی سے تباہ ہو گئیں۔ اور ۵۵۳۷ کو نقصان پہنچا۔ طمع اور خوف کی دونوں صورتیں کیسی خوبی سے بیان ہوئیں۔

اب ایک اور مثال سنئے۔ سورۂ الرحمٰن میں آیا ہے۔

مرج البحرین یلتقیٰن، بینھما برزخ لا یبغیٰن ہ فبای اٰلاء ربکما تکذبان ہ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان ہ

ترجمہ ۔ اسی نے دو دریا بہائے۔ جو باہم مل جاتے ہیں۔ دو کے درمیان

ہیں ایک حد فاصل (آڑ) ہے۔ جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان دونوں سے موتی اور مرجان"

مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے اسی آیت کے نوٹ صفحہ ۳۲۲۶ میں لکھا ہے۔ کہ بعض نے مراد یہاں بحرِ ارض و بحرِ سمائے ہوئے ہیں اور بعض نے بحرِ فارس اور بحرِ روم (ج) اور ظاہر کے لحاظ سے یہ دوسرے معنے درست ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ہی وہ قطعہ زمین ہے جو اقوامِ عالم کا اس وقت جولانگاہ ہے۔ ان دونوں سمندروں کو اب ملا بھی دیا گیا ہے۔ اور سمندروں کو ملانا یہی ہے کہ ان دونوں کا راستہ کھل جائے۔ اور انہی دونوں میں جہازوں کی تگ و دو بھی سب سے زیادہ ہے"۔

اسی طرح اور مفسرین نے اپنے اپنے خیالات اس کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ دوسری دقت بعض کو اس لئے محسوس ہوئی کہ مرجان کے معنے مونگا کئے گئے۔ مثلاً لطف کی بات یہ ہے کہ مولوی محمد علی نے نوٹ ۳۲۲۶ میں اپنے نوٹ نمبر ۳۲۸۶ کا حوالہ دیا ہے۔ جہاں پر مرجان کے معنے صحیح طور پہ موتی کئے گئے ہیں۔ مگر آیت زیرِ بحث میں مونگا ہی کئے ہیں۔

چونکہ مونگا کھاری سمندر سے نکلتا ہے۔ اسلئے بعض نے کہا کہ **منهما** کی ضمیر کا منشائیہ ہے کہ کھاری سمندر سے مونگا نکلتا ہے۔ اور میٹھے سے موتی۔ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے اپنی تصنیف "دو قرآن" میں اس آیت نمبر ۲۹۵ پہ حسبِ ذیل نوٹ لکھا ہے۔

حکمائے مغرب نے سالہا سال کی تحقیق اور تلاش کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا ہے کہ موتی میٹھے پانی میں اور مونگا کھارے پانی میں تیار ہوتا ہے۔ قرآن کریم اس انکشاف پہ یوں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان ۝

ترجمہ ۔ ان دونوں پانیوں (میٹھے اور کھاری) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ۔ آگے لکھتے ہیں ۔ اگر اس آیت کی یہ تفسیر نہ کی جائے تو منهما کی ضمیر تثنیہ (ان دونوں کے لئے) بیکار ہو جاتی ہے ۔ اور اس کی اور کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی ۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس بارے میں بالکل غلط فہمی ہوئی ہے ۔ اگر وہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۰ لغایت ۴۲۲ دیکھ لیتے ۔ تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے ۔ وہاں بہت سے کھارے پانیوں کا ذکر ہے ۔ جس میں سے موتی (PEARL) کا نکلنا بیان کیا ہوا ہے ۔

مجاہد و قتادہ و ضحاک رحمۃ اللہ نے کہا کہ مرجان سے چھوٹے موتی مراد ہیں لغت کے لحاظ سے اولاً یہی اس کے معنے ہیں ۔ بعض نے مرجان سے چھوٹے بڑے دونوں نایاب موتی مراد لئے ہیں ۔

اسی سورۃ الرحمٰن میں جنت کی عورتوں کی تعریف میں آتا ہے ۔

كأنهن الياقوت والمرجان ۝

ترجمہ ۔ گویا یہ عورتیں مثل یاقوت اور مرجان کے ہیں ۔

مجاہد اور حسن اور ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ صفائی مانند یاقوت اور تازگی و سفیدی میں مانند مرجان کے ہوں گی ۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے کہا کہ مرجان سے یہاں درِ خوشاب یعنی عمدہ موتی مراد ہیں ۔

اب آیت زیر بحث کو ذرا نظر میں رکھئے ۔ یعنی ۔

مرج البحرين يلتقين ، بينهما برزخ لا يبغين ۝ منهما اللؤلؤ والمرجان ۝

بحرین کا لفظ خود ہی کچھ نہ کچھ رہنمائی کرتا ہے۔ آپ نے شاید جزیرہ بحرین کا نام سنا ہوگا۔ یہ ملک عرب کے مشرقی کنارے پر خلیج عمان کے قریب واقع ہے اس کا کچھ حال انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی جلد ۲ ص ۹۳۲ پر درج ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ یہاں موتیوں کی بڑی تجارت ہوتی ہے۔ ایک ہزار کے قریب کشتیاں موتی نکالنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ جن میں تقریباً بیس ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی لکھتا ہے کہ یہاں پر قدرت کا ایک عجیب تماشا نظر آتا ہے کہ اس سمندر میں کھارے پانی کے نیچے نیچے میٹھا پانی چلتا ہے۔ جس کو پینے کے لئے عام لوگ بانس کی نالی ڈال کر نکال لیتے ہیں۔ اب قرآنی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

مرج البحرین یلتقین ۵

"یعنی چلائے دو دریا آپس میں ملتے ہوئے دیکھئے"۔ اسی بحرین میں اوپر کھاری پانی چلتا ہے۔ اور نیچے میٹھا پانی۔ دنیا اس قدرت کے تماشا کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔ یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان ۵ واقعی طور پر ان دونوں میں سے چھوٹے بڑے موتی نکلتے ہیں۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ کیا آیات مبارکہ کے معانی میں کسی تاویل کی ضرورت ہے۔ صرف ناواقفیت کی بنا پر تاویل کی گئی۔

نوٹ۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ کہ میٹھے اور کھارے دونوں سے موتی نکلتے ہیں۔ وما یستوی البحران ھذا عذب فرات سائغ شرابہ وھذا ملح اجاج ومن کل تاکلون لحما طریا وتستخرجون حلیۃ تلبسونھا ۵

ترجمہ۔ (اس کی قدرت دیکھو) دو سمندر (باوجود مل جانے کے) یکساں نہیں ہو جاتے۔ یہ (ایک تو) میٹھا خوش ذائقہ کہ اس کا پینا خوشگوار ہے۔ اور یہ (دوسرا) کھاری کڑوا ہے۔ اور اس (اختلاف پر بھی تم لوگ دونوں

سے مچھلی کا تر و تازہ گوشت (یکساں کھاتے ہو، اور اپنے لیئے) زیورات (موتی وغیرہ) نکالتے ہو، جنہیں تم نہیں پہنتے ہو۔"

اب ایک اور رستم کی تاویل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۂ النحل میں آیا ہے۔

۱۴/۱۵ - واوحی ربّک الی لنحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ہ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی بسبل ربک وللاء یخرج من بطونہا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاءٌ للناس انّ فی ذلک لایۃ لقوم یتفکرون ہ

ترجمہ - اور (اے رسول) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور جو اونچی اونچی ٹٹیاں (اور مکانات پاٹ کر) بناتے ہیں۔ ان میں اپنے چھتے بنا کر پھر ہر طرح کے پھلوں (کے بور سے ان کا عرق) چوس لیں۔ پھر اپنے پروردگار کی راہوں میں تابعداری کے ساتھ چلی جا۔"

مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے۔ (شہد) جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں کی بیماریوں کے لئے شفا بھی ہے۔ اس شک نہیں کہ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیئے (قدرت خدا کی) بہت بڑی نشانی ہے۔ علماء میں اس بات پر اختلاف ہے کہ شفاء للناس سے آیا یہ مراد ہے، کہ ہر بیماری کے لئے شفا ہوتی ہے، یا خاص بیماریوں کی شفاء ہے۔ بعض نے کہا کہ چونکہ الفاظ میں الشفاء للناس نہیں ہے۔ اس لئے وہ ہر مرض کے لئے دعا نہیں ہے۔ اور چونکہ شفاءٌ نکرہ ہے تو وہ ہر شخص کے لئے ایسے امراض میں مفید ہے جو سردی سے ہوں۔ کیونکہ شہد

گرم ہے۔ اور دوا اس کے ضد پر ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ شفاء کی تنوین سے عام امراض کے لئے دوا ہونا ثابت ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیت ہذا کے دراصل معانی کیا ہیں؟ پہلی دفعہ شفاءٌ کا لفظ ۱۱/۱۱ میں یوں آیا ہے۔۔:۔

یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاءٌ لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین ہ

ترجمہ۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت (کتاب خدا) آچکی اور جو امراض شرک وغیرہ) دل میں ہیں، ان کی دوا ہے۔ اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت۔"

پیشتر اس کے کہ اس پر کچھ لکھا جائے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا نوٹ جو اس آیت پر ہے۔ درج کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ۔"یہ سب صفات قرآنِ کریم کی ہیں قرآن اوّل سے آخر تک نصیحت ہے۔ جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخۂ شفا ہے وصول الی اللہ - اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمتِ الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفس انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآنِ کریم سے تمسک کرے۔ ان تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔

اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کرنا لفظ **موعظۃً** میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ ۲ - باطن کو عقائد فاسدہ اور ملکاتِ ردّیہ سے خالی کرنا جو شفاء لما فی الصدور سے مفہوم ہوتا ہے۔ ۳ - النفس کو عقائد

حقہ اور اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ کرنا۔ جس کے لئے لفظ ھُدًی زیادہ مناسب ہے۔ ۴۔ ظاہر و باطن کی درستی کے بعد انوارِ رحمتِ الٰہیہ کا نفس پر فائض ہونا جو لفظ رحمت کا مدلول ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقریر کی ہے۔ اس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقت، حقیقت اور نبوت و خلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے۔

اس سے کون عقلمند انکار کر سکتا ہے کہ جملہ امراض شرک و خیالات کے لئے جو دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم شفائے کلی ہے۔ مگر کتنے لوگ ہیں جن کو اس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اسکی نصیحت کو نہ سنتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور نہ باطن کو عقائد فاسدہ سے پاک کرتے ہیں۔ اس شفاء روحانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے شفاء بدنی کا ذکر کیا ہے۔ جس کا ذکر آیتِ زیرِ بحث شفاء للناس میں آیا ہے۔ اب سوال باقی یہ رہتا ہے کہ شہد کا شفائے جسمانی میں کہاں تک دخل ہے۔ شہد کے شفا ہونے میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں۔ ازاں جملہ صحیح بخاری شریف میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزوں میں شفا ہے۔ پچھنے لگانے میں اور شہد پینے میں اور آگ سے داغ دینے میں۔ مگر میں اپنی امت کو داغ سے منع کرتا ہوں۔"

صحیح بخاری میں مشہور روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ میرے بھائی کا پیٹ چلتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا اس کو شہد پلا دو۔ چنانچہ تیسری مرتبہ شہد پلانے سے اسکو فائدہ ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص

چاہے کہ اسے شفا حاصل ہو۔ تو اس کو چاہیئے کہ ایک کاغذ میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھے۔ پھر اس کو مینہ کے پانی سے دھوئے۔ یعنی کسی برتن میں دھوئے۔ پھر اپنی جورو سے درم مانگے۔ مگر اس کی خوشی خاطر کے ساتھ لے۔ اور اس کا شہد خرید کر ملا کر پی جائے۔ کیونکہ اس میں کئی وجہ سے شفاء ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول پُر از حکمت ہے۔ مگر میں یہاں اتنا ہی بیان کروں گا۔ کہ شہد کیوں شفاء ہے اور کن وبات سے۔

جو کتابیں عام طور پر پہلے خوراک کی بابت لکھی گئیں ہیں۔ یعنی اس پر کہ آدمی کو کیا کھانا چاہیئے۔ اس میں شہد کا ذکر نہیں ہے۔ مگر اب کچھ عرصہ سے مغرب والوں کی توجہ شہد کی طرف کھنچی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس کے فوائد اب ان پر ظاہر ہو رہے ہیں مثلاً ڈاکٹر (Arnolold Lorn.) نے ایک کتاب (Old age Daff grred.) لکھی اس میں شہد کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن جب دوسری دفعہ ۱۹۲۲ء میں یہ کتاب چھپی تو اس نے دیباچہ میں ایک باب اس پر باندھا کہ شہد ایک کمزور دل کے لئے سب سے اچھی خوراک ہے اور اس سے بدن میں دوران خون سے مدد ملتی ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ایک جانور کا اگر دل نکال لیا جائے۔ تو جانور کے مرنے کے بعد وہ دل کئی دن تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر اس کو نمکین پانی میں رکھیں جس میں کہ Smger (furit smger) ملا ہوا ہو۔ اس سے انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ انسان کے دل کو یہ چیزیں اسی طرح فائدہ پہنچاتی ہیں۔ Fruit Sugar and Grape sugar یہ دونوں مٹھاس شہد میں پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان کروں گا۔ دراصل ہمارے عضلات اچھی طرح اسی وقت کام کرتے ہیں۔ جب ان کو کھانے میں مٹھاس ملتی رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دل ایک

ایسا مضغہ گوشت (MUSCLE) ہے جو ہر وقت دن رات سوتے جاگتے کام کرتا رہتا ہے، اسلئے ایسی مٹھاس کی بہت ضرورت ہے۔ جو اس کے فعل میں کمی نہ ہونے دے۔

شہد میں اور چیزوں کے علاوہ تین قسم کی مٹھاس ضرور پائی جاتی ہے۔ جس کے نام یہ ہیں۔:۔ Grape suger.

Glucose جس کو عام طور پہ Cane sugar. کہتے ہیں۔

اور جس کو گنے کی مٹھاس کہتے ہیں۔

دل کے لئے یہ تینوں قسم کی مٹھاس نہایت ضروری ہے۔ اور ایسے ہی بدن کے دوسرے پٹھوں کے لئے بھی۔ دراصل مٹھاس کھانے سے نہ صرف پٹھے اچھی طرح کام کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی تکان بھی دُور ہوتی ہے۔ ساتھ ہی:۔ Vitamines یعنی حیاتیات A - B - C - D پائے جاتے ہیں۔ جن کی کمی سے کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ممکن ہے شہد میں اور Vitamines بھی ہوں۔ کیونکہ ابھی اس کی تحقیقات پورے طور پہ نہیں ہوسکی۔ دیکھو انسائیکلو پیڈیا برٹینکا۔ جلد ۱۱ ص ۱۵،۔

دل کے پٹھے میں Vitamines بہت ہیں جن کی کمی ہونے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ دیکھو اسی کتاب کا دیباچہ ص ۳۸ جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔ شہد کھانا دل کے اندرونی حیاتیات کو مدد دیتا ہے۔ اس لئے اس کا کھانا انسان کے لئے شفاء کا حکم رکھتا ہے۔

تیسرے عام طور پہ مانا گیا ہے۔ کہ شہد کسی قدر قبض کشا ہے۔ قبض بہت سی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی ہر ماہ تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے۔ اس کو بہت بڑا حصہ بلا سے نہیں پہنچے گا۔

اب تو شہد سے آنکھ، ناک اور پھوڑے پھنسی کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ دلیسی طور پر بھی، اور ڈاکٹری طور پہ بھی، اسلئے شہد میں ہر وجوہ سے عام شفا ہے اور یہی اس آیۂ مبارک کے معانی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ فرما دیا۔

ان فی ذلک لاٰیۃ لقومٍ یتفکرون ۵

یعنی اس تمام مذکور میں ایسی قوم کے لئے نشانِ قدرت ہیں۔ جو اس بارے میں فکر کرتے ہیں۔ فکر کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ اول تو شہد خالص ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں بہت سی چیزیں، مثلاً موم وغیرہ کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۂ محمدؐ میں فرمایا:۔

وانھارٌ من عسل مصفّاہ

ترجمہ ۔ اور صاف اور شفاف شہد کی نہریں ہیں۔"

اس کا صاف کرنا بھی ایک فن اور ہنر ہے۔ آسان کام نہیں ہے۔ دوسرا اگر دوائیوں کے ساتھ شہد نہ کھایا جائے، اور سادہ شہد کھایا جائے۔ تو ڈاکٹر LORND کی تحقیقات کے مطابق پانی ضرور پینا چاہیئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت کا بھی یہی منشاء ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مینہ (بارش) کے پانی کے ساتھ اس کو کھایا جائے۔ کیونکہ عام پانی سے مینہ کا پانی زیادہ اچھا ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ وانزلنا من السماء ماءً مبارکا یعنی جس کا پانی خشک ہو گیا ہو، ورنہ وہ شہد دو تین ماہ میں خراب ہو جاتا ہے۔ چوتھا یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا، انہ لا یحب المسرفین ۵

ترجمہ ۔ کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت مبارکہ کی تمام خوبیاں بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔ اس کا

ذکر یہاں اس لئے کیا گیا ہے کہ اگر انسان کھانے پینے میں بے احتیاطی کرے۔ اور شہد سے اس کو فائدہ نہ ہو۔ تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ ﷺ میں آیا ہے۔

وكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا ه

ترجمہ۔ جو حلال اور صاف ستھری چیزیں۔ خدا نے تمہیں دی ہیں ان کو (شوق) سے کھاؤ۔"

اگر خوراک طیب نہ ہو تو شہد کیا فائدہ کرے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عام معجونوں میں شہد ڈالا جاتا ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ انسان کی صحت کیلئے مفید ہے، بلکہ اس لئے بھی کہ اس کے ملانے سے معجونیں متعفن نہیں ہوتیں۔ اور شہد بذاتِ خود یہ مانا گیا ہے کہ متعدی امراض کے مادے کو مارنے والا ہے۔ کیا اب بھی یہ شک ہو سکتا ہے؟ کہ شہد شفاء للناس نہیں ہے، بلاشک اس میں عام شفا ہے۔

اب ایک ایسے مرد کی نسبت لکھا جاتا ہے کہ جس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن چونکہ اس معاملے میں لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو گئے ہوئے ہیں۔ اسلئے مجبوراً کچھ نہ کچھ لکھنا پڑا ہے۔ تاکہ قرآن کریم کی حقانیت واضح ہو جائے۔ اور یہ امر پیدائش اجرام سماوی وارضی اور زمین اور سورج کی رفتار کے متعلق ہوتے ہیں۔ مضمون بہت طویل ہے (اور زیادہ سائنسدانوں کے متعلق ہے) لیکن جو کچھ قرآن کریم نے عام لوگوں کے فہم کے مطابق اس میں سے کچھ بیان کیا ہے۔ میں مختصراً اسی کا ذکر کروں گا۔

آپ جانتے ہیں کہ پہلے سائنسدانوں کا یہ خیال تھا کہ سورج آسمان وغیرہ زمین کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص پاکھی گورین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس زمین کے بالمقابل ایک اور زمین ہے۔ اس کے بعد ایک ڈچ سائنسدان نے جس کا نام (Copernicus.) ہے۔ یہ نظریہ پیش کیا کہ

سورج اس عالم کا مرکز ہے۔ جس کے گرد زمین، چاند اور دوسرے سیارے گھومتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ زمین نہ صرف سورج کے گرد گھومتی ہے بلکہ اپنے محور پہ بھی گھومتی ہے۔ اس کی یہ کتاب ۱۵۴۳ء میں چھپی تھی۔ ۱۵۹۶-۹۰ء میں juhn kepler نے یہ نظریہ پیش کیا۔ کہ سورج چاند اور دیگر سیارے سب آپس کی کشش سے قائم ہیں۔ اس باہمی کشمکش کو Sir Isaq Newton نے Law of gravitation. کا نام دیا۔ زمانہ حال کے مشہور سائنسدان Albert Extention. نے یہ کہا کہ یہ کشش وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے یہ ستارے وغیرہ آپس میں اس لئے ٹکراتے ہیں کہ قدرت نے ہر ایک کا ایک خاص دائرہ مقرر کیا ہوا ہے۔ سورۂ انبیاء ۱۷/۳ میں ہے۔

الم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما و جعلنا من الماء کل شیٔ حیّ ط افلا یومنون ط وجعلنا السماء سقفا محفوظا ط وھم عن اٰیٰتھا معرضون ط وھو الذی خلق اللیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون ٥

ترجمہ - جو لوگ کافر ہو بیٹھے ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اس بات پہ غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں بستہ تھے۔ تو ہم نے دونوں کو شگافتہ کیا، (کھول دیا) اور ہم نے ہی ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ تو کیا۔ اس پہ بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ہی نے زمین پر بھاری بھاری بوجھل پہاڑ بنائے تاکہ ان لوگوں کو کسی طرف جھک نہ پڑے۔ اور ہم نے اس میں لمبے چوڑے رستے بنائے۔ تاکہ یہ لوگ اپنے اپنے منزل مقصود کو جا پہنچیں۔ اور ہم ہی نے آسمان کو چھت بنایا۔ جو ہر طرح محفوظ ہے۔ اور یہ لوگ اسکی آسمانی نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔ اور وہی قادر مطلق ہے۔ جس نے رات اور دن اور آفتاب اور مہتاب کو پیدا کیا۔ اس طرح سب کے سب ایک ایک فلک میں پیر (کر چکر لگا) رہے ہیں۔

ان آیات مبارکہ میں کئی ایک اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ جن کا میں آگے چلکر ذکر کروں گا۔ دوسری دفعہ :- کل فی فلک یسبحون۔ سورۃ یٰسین ۲۳/۲ میں اس طرح آیا ہے :-

سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون ۝ وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار فاذا ھم مظلمون ۝ والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم ۝ والقمر قدرنہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ۝ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار ۝ وکل فی فلک یسبحون ۝

ترجمہ - وہ (ہر عیب سے) پاک صاف ہے۔ جس نے زمین سے اگنے والی چیزوں اور خود ان لوگوں کے اور ان چیزوں کے جن کی انہیں خبر نہیں سب کے جوڑے پیدا کئے۔ اور (میری قدرت کی) ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔ تو اس وقت یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (ایک نشانی) آفتاب ہے جو اپنے ٹھکانے پر چلا جا رہا ہے۔ یہ سب سے غالب واقف کار (خدا) کا (باندھا ہوا) اندازہ ہے۔ اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ ہر پھر کر (آخر ماہ میں) کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا (پتلا ٹیڑھا) ہو جاتا ہے۔ نہ تو آفتاب ہی سے یہ بن پڑتا ہے کہ وہ ماہتاب کو جا لے۔ اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ (چاند، زمین، سورج، ستارے، ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں چکر لگا رہے ہیں۔

سورۂ انبیاء کی آیات مبارکہ میں کئی ایک ایسے اصول بیان ہوئے ہیں، جن کو موجودہ سائنس تسلیم کرتی ہے۔

۱ - یہ کہ آسمان اور زمین کا مادہ ایک ہی تھا۔
۲ - یہ کہ تمام جاندار چیزیں پانی سے پیدا ہوئی ہیں۔
۳ - بعض کے خیال میں الفاظ ان تمید بھم سے ظاہر ہے کہ زمین چلتی ہے اور پہاڑ اس کو تھامے ہوئے ہیں۔
۴ - یہ کہ زمین، سورج اور چاند اپنے اپنے میدان میں تیرتے ہیں۔

اب ان امور کی کچھ تشریح کی جاتی ہے۔ (رتق) کے معنی بند اور متصل کے بھی ہیں۔ فتق کے معنی شق کرنا اور پھاڑنا۔ اگر رتق کے معنی متصل اور فتق کے معنی شک کرنے کے لئے جائیں۔ تو آیت مبارکہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اجرام سماوی اور زمین کا مادہ ایک ہے۔ جیسا کہ آجکل کے سائنسدانوں کا خیال ہے۔ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ زمین سورج کا کسی وقت ایک حصہ تھی۔

۲ - دوسرا یہ کہ تمام چیزیں پانی سے پیدا ہوئیں۔ اس کا علم سائنسدانوں کو قرآن کریم کے نزول کے بعد ہوا ہے۔ سورہ ہود ۱۲/۱ میں آیا ہے۔

وھوالذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء ہ

ترجمہ - اور وہ تو وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے پانی یا گیس یا ایتھر کی قسم کا مادہ موجود تھا۔ بعض سائنسدان جو اپنے مفروضہ نظریوں کے ماتحت خدا کی ہستی سے دانستہ یا نادانستہ اغماض کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پانی یا ایتھر یا گیس میں خود بخود کشش اور گردش پیدا ہو گئی۔

۳ - یہ کہ زمین گردش کرتی ہے۔ جس سے اجرام سماوی تیار ہوئے۔
۴ - یہ کہ :- کل فی فلک یسبحون سے ظاہر ہے کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے۔ الفاظ کل فی فلک کو الٹ دیا جائے تو پھر بھی کل فی فلک

ہی بنتا ہے۔ کتاب فزیکل سائنس کے ص ۳ کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ سورج اور اس کے سیارے جن میں زمین شامل ہے۔ سب ایک ہی طرز پہ گھومتے ہیں۔ اسی صفحہ پہ سوال نمبر ۲ ہے۔ جس میں یہ پوچھا گیا ہے۔ کہ زمین کی محوری گردش کے علاوہ اور کون کونسی گردشیں ہیں۔ مصنف نے خود ہی اس کا جواب ص ۳، ۴ پہ اس طرح دیا ہے کہ ایک چھوٹی سی حرکت زمین اور چاند کے (Centre of gravity.) کے گرد (۲)، زمین کی گردش سورج کے گرد۔

۳۔ جیسا کہ سورج اپنے متصل ستاروں سے ہٹتا جاتا ہے۔ زمین بھی اس کے ساتھ ہٹتی جاتی ہے۔

۴۔ فضائے آسمانی میں دوسری کہکشاؤں کے متعلق اس کی رفتار۔

قرآن کریم نے کل فی فلک یسبحون کے الفاظ فرما کر ان تمام حرکات پہ مہر تصدیق ثبت کر دی۔ لیکن زمین کی محوری گردش جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کی سورج کے گرد گردش کے متعلق میں آگے جا کر بحث کروں گا۔ کیونکہ یہ ایک بڑا متنازعہ فیہ امر ہے۔

اوپر آ چکا ہے کہ کل فی فلک یسبحون ؕ کے الفاظ سورۃ یٰسین میں بھی آئے ہیں۔ اس میں بھی چند ایک اصول بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ یہ کہ سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون ؕ

ترجمہ ۔ وہ ہر عیب سے پاک صاف ہے۔ جس نے زمین سے اگنے والی چیزیں اور خود ان لوگوں کے اور ان چیزوں کے جن کی انہیں خبر نہیں سب کے جوڑے پیدا کئے۔ نباتات اور حیوانات کے جوڑوں کا علم تو اکثر کو ہے۔ لیکن سائنسدانوں نے اب تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پتھروں میں بھی

ایسا شعور ہے۔

۳۔ اگلی آیت میں آیا ہے کہ۔ والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم ہ

ترجمہ۔ اور ایک (نشانی) آفتاب ہے جو اپنے ٹھکانے پر چل رہا ہے۔ یہ (سب سے) غالب واقفکار (خدا) کا (باندھا ہوا) اندازہ ہے۔"

بعض سائنسدانوں نے کہہ دیا کہ سورج بمع اپنے متعلقہ سیاروں وغیرہ کے برج Lyre کی طرف جا رہا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ برج ہرکز (Hercules) کی طرف اس چاند کی گردش

عام طور پہ کہا جاتا ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں۔ یہ نیلی چیز جو اوپر نظر آتی ہے منتہائے نظر ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے۔ جیسے کہ

اذا السماء انشقت

ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جائے گا"

دوسری جگہ سورۃ الرحمٰن میں آیا ہے:۔

الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان والسماء رفعھا ووضع المیزان الا تطغوا فی المیزان ہ

ترجمہ۔ سورج اور چاند ایک مقرر حساب سے چل رہے ہیں۔ اور بوٹیاں، بیلیں، اور درخت (سب اسی کو) سجدہ کرتے ہیں۔ اور اسی نے آسمان بلند کیا۔ اور ترازو کو قائم کیا۔ تاکہ تم لوگ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ ۲۴ میں آیا ہے۔

وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا ذلک تقدیر العزیز العلیم ہ

ترجمہ۔ اور ہم نے دنیا کے آسمانوں کو (ستاروں کے) چراغوں سے مزین کیا اور محفوظ رکھا۔ یہ واقف کار غالب (خدا) کے (مقرر کئے ہوئے)

اندازے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آسمانِ دنیا سے کیا مراد ہے۔ یہ سمائے دنیا جس کو کہا گیا ہے۔ کہ ہم نے اس کو چراغوں سے زینت بخشی ہے۔ ظاہراً اطوارہ پر بھی ستاروں کا وسیع جال ہے۔ جو آسمان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلا ہوا ہے۔ جسکو انگریزی میں Milky way. اور (Galaxy) فارسی میں کہکشاں کہتے ہیں۔ جو زبان اردو میں بھی رائج ہے۔ اور عربی میں اسکو باب السما کہتے ہیں۔ اس کہکشاں میں اگر آپ اس کی تصویر دیکھیں تو سورج ایک بے حقیقت سی چیز نظر آتا ہے اوپر ذکر آچکا ہے کہ سارا کہکشاں یا Galaxy. خود بھی حرکت میں ہے۔ اسلئے یہ Galaxy. یا کہکشاں ہم پر ایک مضبوط چھت کی طرح نہ ہوتا۔ تو سب کچھ مدت کا تباہ ہو جاتا۔ خاص کر کہ جب ہم یہ تمہیں بتاتے کہ ہر چیز از قسم ستارہ سیارہ وغیرہ چل رہی ہے (پہلے یہ سائنسدانوں کا خیال تھا کہ بعض ستارے ایک جگہ پر قائم ہیں۔ جن کو عربی میں ثوابت کہتے ہیں۔ مگر اب یہ خیال غلط ثابت ہوا ہے۔) لہٰذا قرآن کریم کے الفاظ میں اس کو یہی کہنا پڑے گا سقفِ محفوظ ہے۔ اور جب قیامت آئیگی تو یہ سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس حقیقت کو قرآنِ کریم نے

ان الفاظ میں ادا کیا۔ اذا السماء انشقت۔

ترجمہ۔ جبکہ آسمان پھٹ جائے گا۔"

لیکن سوہ الرحمٰن میں آیا ہے۔

الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان ۝ والسماء رفعہا ووضع المیزان ۝ الا تطغوا فی المیزان ۝

ترجمہ - سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔ بوٹیاں، بیلیں اور درخت اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور اسی نے آسمان کو بلند کیا۔ اور ترازو قائم کی۔ تاکہ تم لوگ ترازو سے تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں عدل و انصاف کی بڑی تاکید ہے اور اس کے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ لیکن میں تو الفاظ والسماء رفعہا ووضع المیزان ہ سے آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے کب ایک مضبوط اور مکمل چھت تیار کی ہے۔ جس کا اگرچہ ہر چھوٹا بڑا خود بخود چل رہا ہے۔ مگر آپس میں ٹکراتا نہیں ہے۔ ہر ایک حصہ سارے نظامِ عالم کا بذاتِ خود بھی قائم رکھنے والا ہے۔ اور اسی کو قرآن کریم نے ووضع المیزان ہ کہا ہے۔ جسکو بعض سائنسدان Law of gravitation. کہتے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق اس کشش سے یہ نظام عالم قائم ہے۔

اب حرکتِ زمین کی نسبت کچھ لکھا جاتا ہے۔ سورہ زمر $\frac{23}{15}$ میں ہے۔
خلق السموٰت والارض بالحق یکور اللیل علی النہار و یکور النہار علی اللیل و سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی ط الا ھو العزیز الغفار ہ

ترجمہ - زمین اور آسمان کو بجا اور درست پیدا کیا۔ وہی رات کو دن پر اوپر تلے لپیٹتا ہے۔ اور وہی دن کو رات پر تہ بتہ لپیٹتا ہے۔ اور اسی نے آفتاب اور ماہتاب کو مسخر کیا ہے۔ یہ سب کے سب اپنے مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے۔"

بعض کا خیال ہے کہ ارض بھی لفظِ کل میں شامل ہے۔ لیکن دوسروں کا غالباً یہ خیال تھا کہ پھر السموات بھی اس میں شامل ہونا چاہیئے۔ جو

محال ہے۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ نہ صرف ہمارا سماءِ دنیا جس کو گیلگی Galaxy. یا کہکشاں کہتے ہیں۔ حرکت میں ہے۔ بلکہ اور Galaxies جو ہمارے گیلگی Galaxy. کے اوپر ہیں وہ بھی حرکت میں ہیں۔ پہلے فرمایا۔ یکور اللیل علی النہار و یکور النہار علی اللیل ۵

اور اس کے بعد فرمایا:۔ سخر الشمس والقمر،

جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رات کا دن پر لپٹنا، اور دن کا رات پر لپٹنے کا باعث سورج اور چاند نہیں ہیں۔ بلکہ کوئی اور چیز ہے۔ اور وہ زمین ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ $\frac{19}{3}$ میں آیا ہے۔

الم تر الی ربک کیف مد الظل ولو شاء لجعله ساکنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا ثم قبضنه الینا قبضا یسیرا ۵

ترجمہ۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کی قدرت کی طرف نظر نہیں کی۔ کہ اس نے کیونکہ سایہ کو پھیلا دیا۔ اگر وہ چاہتا تو اسے (ایک ہی جگہ) پر ٹھہرا ہوا کر دیتا۔ پھر ہم نے آفتاب کو (اسکی شناخت کے واسطے) اس کا راہ نما بنا دیا۔ پھر ہم نے اسکو تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی طرف کھینچ لیا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ سائے کا دراز ہونا، یا رات کا آنا سورج کی ذات پر مبنی نہیں ہے۔ وہ تو اس کے لئے ایک دلیل ہے۔ یعنی روشن کرنے والا ہے۔ کوئی راہنمائی کرنے والا کسی چیز کی پیدائش کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اب گردشِ زمین کی نسبت سن لیجئے۔ پارہ ۲۰ رکوع ۴ سورہ نمل آیات ۸۳ لغایت ۹۰ میں اس طرح آیا ہے۔ (۸۳) ۔

ویوم نحشر من کل امة فوجا ممن یکذب بایتنا فهم یوزعون (۸۴) حتی اذا جاءو قال اکذبتم بایتی ولم تحیطوا بها علما اما ذا کنتم تعملون ۵ (۸۵) ووقع القول علیهم بما ظلموا فهم

لا ینطقون ﴿۸۶﴾ الم یروا انا جعلنا الیل لیسکنوا فیه والنهار مبصرا
ان فی ذلک لاٰیت لقوم یؤمنون ﴿۸۷﴾ ویوم ینفخ فی الصور
ففزع من فی السموت ومن فی الارض الا من شاء الله وکل اتوه
داخرین ﴿۸۸﴾ وتری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مر السحاب
صنع الله الذی اتقن کل شیء انه خبیر بما تفعلون ﴿۸۹﴾ من
جاء بالحسنة فله خیر منها وهم من فزع یومئذ امنون ۹۰
ومن جاء بالسیئة فکبت وجوههم فی النار هل تجزون الا ما کنتم
تعملون ﴿﴾

ترجمہ - ص ۸۳ اور اس دن کو یاد کرو جس دن ہر امت سے ایک ایسے گروہ کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ (زندہ کرکے) جمع کریں گے پھر ان کی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ کی جائیں گی ۸۴ یہاں تک کہ جب وہ سب (خدا کے سامنے) آئیں گے۔ اور خدا ان سے کہے گا۔ کیا تم نے ہماری آیتوں کو اچھی طرح سمجھے بوجھے بغیر جھٹلایا۔ بھلا تم کیا کرتے تھے ۸۵ چونکہ یہ لوگ ظلم کیا کرتے، ان پر (عذاب کا) وعدہ پورا ہو گیا۔ پھر یہ لوگ کچھ بول بھی نہ سکیں گے ۸۶ کیا ان لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم نے رات کو اسلئے بنایا کہ یہ لوگ اس میں چین پائیں۔ اور دن کو روشن (تاکہ دیکھ بھال کریں)، بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لئے۔ (قدرت خدا) کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ۸۷ اور جس دن صور پھونکا جائے گا۔ تو جتنے لوگ آسمانوں میں ہیں، اور جتنے لوگ زمین میں ہیں دہل جائیں گے۔ بجز اس کے جس کو اللہ چاہے۔ (وہ البتہ مطمئن رہے گا) اور سب لوگ اس کی بارگاہ میں ذلت کی حالت میں حاضر ہوں گے۔ ۸۸ اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر انہیں مضبوط جمے ہوئے سمجھتے ہو

وہ بادل کی طرح اڑے پھریں گے ۔ یہ بھی خدا کی کاریگری ہے کہ جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط بنایا ہے ۔ بیشک جو کچھ تم لوگ کرتے ہو، وہ اس سے خوب واقف ہے ۔ ۸۹ جو شخص نیک کام کرے گا اس کے لئے اسکی جزا اس سے کہیں بہتر ہے ۔ اور یہ لوگ اس دن خوف و خطر سے محفوظ رہیں گے ۔ ۹۰ اور جو لوگ برا کام کام کریں گے ۔ وہ منہ کے بل جہنم میں جھونکے جائیں گے ۔ (اور ان سے کہا جائے گا) کیا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے تھے ۔ پس اسی کی جزا تمہیں دی جاتی ہے ۔“

سوال یہ ہے کہ آیت ۸۸ کے کیا معنی ہیں ؟ بعضوں نے یہ کہا کہ تحسبہا جامدۃ پہاڑوں کی دنیاوی حالت کا بیان ہے ۔ وھی تمر السحاب پہاڑوں کی وہ حالت ہے جو قیامت کے وقت ہوگی ۔ دوسروں نے یہ کہا کہ یہ دونوں حالتیں قیامت کے متعلق ہیں، لیکن ان کے معانی بیان کرنے میں یہ دقت پیش آئی کہ آگے آتا ہے ۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شئ ۔

مولوی ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے اس کو اس طرح سے حاصل کرنا چاہا ہے ان کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں ۔

”ہم نے تو یہ سمجھا ہے کہ پہاڑوں کا قیامت کے دن اڑے اڑے پھرنا اس سبب سے ہوگا کہ انکی بناوٹ میں فتور ہے ۔ بلکہ ملکی بناوٹ تو بڑی پختگی کے ساتھ ہے ۔ مگر یہ خدا کی صناعی ہے کہ ایک چیز مضبوط اور مستحکم اور پختہ، ذرا سی کل مروڑ دینے سے بادلوں کی طرح اڑنے لگے ۔“

مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے مفصلہ ذیل نوٹ لکھا ۔

”یعنی جن پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین جمے ہوئے ہیں ۔ کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے ۔ قیامت کے دن یہ روئی گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے ۔ اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے ۔

وبست الجبال بسا فکانت ھباء منبثا ۔ (سورۂ واقعہ)

ترجمہ - اور پہاڑ ٹکرا کر بالکل چورا چورا ہو جائیں گے۔ پھر ذرے بنکر اڑنے لگیں گے۔

وتکون الجبال کالعھن المنفوش (القارعہ)

نقل ینسفھا ربی نسفا (طٰ) ۶۴

آیت ہذا کو زمین کی حرکت و سکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں۔ جیسا کہ بعض متنوعین نے سمجھا ہے۔"

مولوی محمد علی نے اپنی تفسیر البیان میں کہا ہے۔ کہ اس آیت میں بظاہر پہاڑوں کی مضبوطی اور ان کے آخر گذر جانے کا ذکر ہے۔ لیکن آیت کا خاتمہ انہٗ خبیر بما تفعلون ہ پر کیا ہے۔ یعنی افعال انسانی کی جزا اور سزا پر اسلئے جامد پہاڑوں کے گذر جانے کا اشارہ ان بڑے بڑے انسانوں کے گذر جانے کی طرف ہے۔ جو حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے صنع اللہ الذی اتقن۔ بھی درست ہے۔ جس میں اشارہ ہے۔ کہ حق اسقدر مضبوط چیز ہے کہ پہاڑ بھی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور بعض نے و ھی تمر مین واؤ کو حالیہ کہا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تو پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے۔ جو ہلتے نہیں اور وہ بادل کی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ کیونکہ زمین کے ساتھ وہ چکر کھا رہے ہیں۔"

میرے خیال ناقص میں "و" حالیہ ہی ہے۔ اور اس کے یہی معنی ہیں۔ اور وتحسبھا جامدۃ:- قیامت کے متعلق نہیں ہو سکتے۔ وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱ - اوّل تو تحسبھا جامدۃ کے یہ معنی کرنا کہ تم پہاڑوں کو اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو، کہ ہمیشہ زمین میں جمے ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ اس وقت جمے ہوئے خیال کرو گے۔ قیامت کے دن بادلوں کی طرح تیز رفتار ہونگے۔ اس واسطے موزون

نہیں معلوم ہوتے ۔ کہ اس سے پہلے لفظ تحسبہا ۔ کالانا تحصیل حاصل ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں۔ دوسرے مرو کے معنی ہیں ۔ پاس سے گذر جانا ۔ جیسا کہ دوسری جگہ پارہ ۱۹ ارکوع ۴ میں آیا ہے

والذین لا یشھدون الزور و اذا مروا باللغو مروا کراما ہ

ترجمہ ۔ وہ لوگ جو جھوٹے کاموں میں شامل نہیں ہوتے ۔ اور جب وہ بیہودہ کام کے پاس سے گذرتے ہیں ۔ تو بزرگانہ انداز سے گذر جاتے ہیں۔ تیسرا اہل علم کے نزدیک جب کہ تفسیر "السراج" میں آیا ہے ۔ کہ ۔

"قیامت کے دن پہاڑوں کے حالات اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ پہلے وہ کوفتہ کردیئے جائیں گے ۔ $\frac{29}{5}$ ۔

واذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ فیومئذ وقعت الواقعۃ ۔

ترجمہ ۔ پھر جب پھونکا جائے گا صور میں ایک بار پھونکنا ۔ اور اٹھالی جائے زمین ، اور پہاڑ پھر ٹپک دیئے جائیں ایک بار ٹپکنا ۔ اس کے بعد دوسری حالت یہ کہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے ۔ بقولہ تعالیٰ ۔

وتکون الجبال کالعھن المنفوش اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے ۔ عہن کے معنی ہیں ۔ رنگی ہوئی اون ، منفوش کے معنی ہیں دھنی ہوئی روئی یا اون ۔ دوسری جگہ $\frac{29}{7}$ میں آیا ہے ۔

وتکون الجبال کالعھن ہ

اس کے بعد تیسری حالت یہ ہوگی کہ پہاڑ ریزے ریزے ہو کر ایسے چھوٹے ذرات ہو جائیں گے کہ صرف سورج کی شعاع سے نظر آئیں گے ۔

$\frac{27}{14}$ ۔ اذا رجت الارض رجا و بست الجبال بسا فکانت ھبا منبثا ہ

ترجمہ۔ جب زمین بڑے زوروں سے ہلنے لگے گی۔ اور پہاڑ بالکل چور چور ہو جائیں گے۔ پھر ذرّے بنکر اڑنے لگیں گے۔ ھبًا ان ذروں کو کہتے ہیں جو صرف سوراخ میں نظر آتے ہیں۔ یعنی اسقدر باریک ذرّے ہوں گے کہ معمولی آنکھ سے دیکھے نہ جائیں گے۔

چہارم یہ کہ ان پر ہوا کے جھونکے آئیں گے۔ اور وہ اڑ جائیں گے۔

۱۶/۱۵ میں اس طرح آیا ہے۔ ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا فیذرھا قاعا صفصفا لا تری فیھا عوجا ولا امتا ہ

پانچویں حالت یہ ہے کہ نیست ہو جائیں گے۔

۲۹/۱ میں ہے۔ وفتحت السماء فکانت ابوابا وسیرت الجبال فکانت سرابا ہ

ترجمہ:۔ اور آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ اور اسی میں دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے۔ تو وہ نیست و نابود ہو جائیں گے۔" سراب کے معنی معمولی معنوں کے علاوہ نیست و نابود ہونے کے بھی ہیں۔ جو آیت کا مفہوم ہے۔ اب آیت ہذا کے ہر ایک حصے پر غور کیجئے۔ آخر میں آیا ہے۔

انہ خبیر بما تفعلون ہ

ترجمہ۔ تحقیق اس کو خبر ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔

صاف طور پر یہ اس دنیا کے متعلق ہے۔ نہ کہ آخرت کے متعلق۔ اس سے پہلے آیا ہے۔

صنع اللہ الذی اتقن کل شئی

ترجمہ۔ یہ بھی خدا کی کاریگری ہے۔ جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط بنایا۔"

یہ قیامت کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قیامت کی ابتدائی نشانیوں میں سے ہے۔ کہ پہاڑ پٹک دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ ۲۵/۵ میں

ذکر کیا گیا ہے۔

فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة وحملت الارض والجبال فدكتا دكة واحدة فيومئذ وقعت الواقعه وانشقت السماء فهی يومئذ واهيه

ترجمہ۔ جب صور میں ایک بار پھونک مار دی جائے گی۔ اور زمین و پہاڑ اٹھا کر یکبارگی ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ اس روز قیامت آہی جائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ وہ دن بہت ہی پھُس پھُسا ہو گا۔ آیت زیر بحث کا پہلا حصہ ہے۔

و تری الجبال متجسها جامدة وهی تمر السحاب ٥

ترجمہ۔ اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر مضبوط جمے ہوئے سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ بادل کی طرح اڑے اڑے پھرتے ہیں۔"

اس آیت کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے۔ غرض ان امور سے یہ ظاہر ہے کہ آیت نمبر ۸۶ اور ۸۸ اس دنیا کے متعلق ہیں۔ سورۂ الطارق میں آیا ہے۔

والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع انه لقول فصل۔

بعض نے ذات الرجع کے معنی یہ کئے ہیں کہ۔ چکر کھانے والے آسمان کی قسم۔ دوسرے نے یہ معنی کئے کہ بارش لانے والے آسمان کی قسم۔ یہ دوسرے معنے الفاظ والارض ذات الصدع کے ساتھ گو موزوں نظر آتے ہیں۔ لیکن پہلے معنی بھی غلط نہیں ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ زمین بھی گردش کرتی ہے۔ یہ سماء دنیا بھی جس کو (Gulaxy.) کا نام دیا گیا ہے۔ حرکت میں ہے۔

واللہ اعلم لحقیقة الحال!

طباعت — ایجوکیشنل پریس کراچی

